علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

رمضان المبارک

اپریل 2022

رمضان کریم

پیارے پیارے بچوں کے لیے بیت العلم کی نئی کتابیں

والدین و سرپرست حضرات سے گزارش

بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے....کہانیاں سننے سے ان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں....بچوں کی کتابوں سے دوستی ہو جاتی ہے اور آداب سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کتاب دوست بنانے کے لیے یہ کتابیں ضرور پڑھ کر سنائیں، کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں بچوں کی مدد بھی کریں۔

اب Playstore سے ڈاؤن لوڈ کریں۔

GET IT ON Google Play

maktababaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356

www.mbl.com.pk

پیغامِ الٰہی جل جلالہٗ

عبداللہ بن مسعود

(مفہومِ آیت: سورۂ اسراء: ۳۶)

یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل، سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا۔

عزیز دوستو! اس آیت میں ہمارے پروردگار ہمیں ایک نہایت اہم بات کی جانب متوجہ فرما رہے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ یہ ہمارے کان، ہماری آنکھ، اور ہمارا دل، بل کہ ہمارا ہر عضو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ان نعمتوں کو صحیح اور درست کاموں میں استعمال کرنے کا ہمیں پابند بنایا گیا۔ مثلاً کان کا درست استعمال یہ ہے کہ

اس سے قرآنِ کریم کی تلاوت سنی جائے، بزرگوں کے بیانات اور امی ابو کی نصیحتوں کو توجہ سے سنا جائے۔

کسی کی برائی اور بری چیزیں سننے سے بچا جائے اور ایسی مجلس سے فوراً اٹھ جایا جائے۔

اسی طرح آنکھ کا درست استعمال یہ ہے کہ اس سے قرآنِ کریم کو دیکھ کر پڑھا جائے، والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

اسی طرح موبائل میں کبھی کوئی نامناسب چیز سامنے آجائے تو فوراً اس چیز کو بند کر دیا جائے۔

اسی طرح دل کا درست استعمال یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں سوچا جائے۔ کسی کے بارے میں برا خیال دل میں نہ لایا جائے کہ فلاں ایسا ہے، فلاں میں یہ برائی ہے وغیرہ۔

عزیز دوستو! آیئے، ہم سب مل کر پکا ارادہ کریں کہ اپنے کان، آنکھ، دل، بل کہ اپنے تمام اعضا کو کبھی بھی اپنے پیارے رب کی نافرمانی میں استعمال نہیں کریں گے، بل کہ سوچ سمجھ کر ان نعمتوں کو ایسے کاموں میں استعمال کریں گے جن میں یا تو ہمارا دنیوی فائدہ ہو یا اُخروی نفع ہو۔

پیغامِ نبوی ﷺ

رشید علی نواب شاہی

حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور گھر میں داخل ہونے اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے:

”یہاں تمھارے لیے نہ رات کو ٹھہرنے کی جگہ اور نہ رات کا کھانا ہے، اور اگر آدمی گھر میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: یہاں تمھیں رات ٹھہرنے کی جگہ مل گئی اور جب آدمی کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: یہاں تمھیں ٹھہرنے کی جگہ اور کھانا بھی مل گیا۔“

(الصحیح لمسلم، الاشربۃ، باب آداب الطعام و الشراب، الرقم: ۵۲۶۲)

عزیز ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآنِ کریم میں بتا دیا ہے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے، وہ ہمیں سیدھے راستے سے ہٹائے گا۔ اب ہمیں چاہیے ہم ایسے اعمال کریں جن سے ہم شیطانی اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

جب ہم اسکول اور مدرسے سے پڑھ کر آتے ہیں تو ہمارا وقت گھر میں گزرتا ہے اور ہمارا کھانا پینا گھر میں ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے ابو، چاچو، ماموں جب اپنے کام کاج سے گھر واپس آئیں تو ہم انھیں بھی یاد دلائیں اور خود بھی اس پر عمل کریں کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر داخل ہوں۔ بسم اللہ اور دعا پڑھ کر گھر میں داخل ہوں اور کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ اور دعا پڑھ کر کھانا کھائیں۔ اس طرح کرنے سے شیطان اس دن اور رات کو ہمارے گھر میں نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی اس دن اور رات کو ہمارے کھانے میں شریک ہو سکے گا۔

عزیز ساتھیو! اگر آپ یہ کر سکتے ہوں تو کر لیں کہ گھر کے دروازے پر لکھ کر لگا دیں کہ ”گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ اور دعا پڑھ کر داخل ہوں۔“ لکھا ہوا کتبہ دیکھ کر سب کو یاد آجائے گا۔

اور یہ حدیث بچیاں اپنی سہیلیوں اور بچے اپنے دوستوں کو بھی بتائیں۔ بتائیں گے نا!؟

جھلکیاں

04 سیرت کہانی ﷺ — عبدالعزیز
06 بلاعنوان (۱۷۶) — قرۃ العین خرم ہاشمی
08 میرے رب کا رمضان — اعظم توصیف
10 رات کا جن — عمارہ فہیم
12 رمضان (نظم) — ارسلان اللہ خان
13 کوئی "کیری" دکھی نہیں — دیا خان بلوچ
15 عید سے پہلے عید — فہیم زیدی
19 سوال آدھا، جواب آدھا (کھیل) — الطاف حسین
20 مشینی انڈا — قانتہ رابعہ
23 مکافاتِ عمل — ش۔ م۔ دانش
29 پیارا گڈو — ماہم مغل
31 حل (مسالا) — سعد علی چھیپا
32 مہمانِ خصوصی — بیگم ناجیہ شعیب احمد
36 دعا اور دوا — صائمہ مسلم
38 ہمیں انصاف چاہیے (فاتح کون؟) — نذیر انبالوی
41 ذوقِ معلومات (۷۵) (کھیل) — ابو غازی محمد
42 روزے دارو! (نظم) — نعیم الدین نعیم
43 پہرے دار (تاریخی جھلکیاں) — محمد حذیفہ رفیق زم زمی
49 وہ کون تھا؟ — شاہد اقبال
52 آئیے اب ڈوب چلیں — الطاف حسین

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہنامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیرِ سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

رمضان المبارک ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 17

شمارہ: 04

ناشر — محمد عارف رشید

مجلسِ ادارت

- مدیرِ اعزازی — عبدالعزیز
- معاون — محمد طلحہ شاہین
- معاون — زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر — سید ناصر
کمپوزر — سعد علی
نگرانِ ترسیل — منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 80

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1100/=
بذریعہ عام ڈاک 850/=

ماہنامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمائیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ ذوق و شوق پی۔ او۔ بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی
Email: zouqshouq@hotmail.com
zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00
دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash : 0320-1292426

(نوٹ: جاز کیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq
اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

2015ء کی بات ہے۔ بقرعید کی چھٹیاں قریب قریب تھیں۔ ہم نے اپنے استادمحترم سے چھٹیوں سے قبل نصیحت فرمانے کی درخواست کی۔

استاد جی نے بڑی قیمتی بات ارشاد فرمائی، جو ہمارے ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی۔

''علیک سلیک'' لکھنے بیٹھے تو وہ بات ہمیں یاد آ گئی۔ بات ہی کچھ ایسی ہے! سوچا آپ کو بھی اس کام کی بات میں شریک کرلیں۔

فرمایا: ''پہلے ہی سے اپنے ہر وقت کے لیے کوئی مفید کام سوچ کر رکھو۔''

کیا خیال ہے؟ ہے نا قیمتی بات! جب ہم پہلے سے اپنے کسی فارغ وقت کے لیے کام سوچ کر رکھیں گے تو ہم کام کے لیے پہلے سے تیار رہوں گے اور وقت آنے پر فوراً کام شروع کرنا آسان ہوگا، اس طرح ہمارا زیادہ وقت کام میں صرف ہو سکے گا۔

مثال کے طور پر ہمیں کسی سے ملنے جانا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ ان کے گھر پہنچنے کے لیے دس منٹ کا سفر طے کرنا ہوگا یا کوئی ایسا کام ہے جس کے لیے آدھا گھنٹا انتظار گاہ میں بیٹھنا ہوگا، پھر ہمارا نمبر آئے گا تو ہم ذہن میں سوچ کر رکھیں کہ اس دس منٹ یا آدھے گھنٹے میں اپنا فلاں کام کروں گا اور کام ایسا ہو جو ایسی صورت حال میں کیا جا سکتا ہو۔ چند کام ہم آپ کو بتا دیتے ہیں:

اگر آپ حافظ قرآن ہیں تو تلاوت قرآن۔ درود شریف، استغفار یا سبحان اللہ وغیرہ کی تسبیح۔ کوئی کتاب اپنے ہم راہ رکھ سکتے ہوں تو اس کا مطالعہ۔ دل ہی دل میں اپنی ترقی اور کام یابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا۔ کسی عنوان پر مضمون یا کہانی لکھنا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں سوچنا وغیرہ۔

یاد رکھیں، اپنے وقت کے لمحہ لمحہ، لفظ لفظ کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنے والے بچے ہی بڑے ہو کر اپنے والدین کی نیک نامی اور معاشرے کے لیے ایک کام یاب فرد ثابت ہوتے ہیں۔

بس ہم اب یہیں اپنی بات کو ختم کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آپ بھی ہمارے استاد محترم کی اس نصیحت کو حرز جاں بنائیں گے اور اپنے ہر دن کا نظام الاوقات (Time table) بنا کر اپنے لمحات کو ایسے کاموں میں صرف کریں گے جن میں آپ کا یا تو دینی فائدہ ہو یا اخروی۔

سیرت کہانی ۳۵

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

دوسرا سریہ، سریہ رابغ کہلاتا ہے، جس میں حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں بھی کوئی انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔

رابغ نامی وادی میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لشکر سے سامنا ہوا۔

(حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس لشکر کے سردار تھے۔)

ان کے ساتھ دو سو سوار تھے، مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلایا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں چلایا گیا۔

کافروں کے لشکر میں دو آدمی ایسے تھے جو مسلمان تھے، لیکن اب تک ہجرت نہ کر سکے تھے۔ ایک حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور دوسرے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ۔ یہ لوگ کفار کے ساتھ نکلے ہی اس لیے تھے کہ جیسے ہی موقع ملے گا مسلمانوں سے جا ملیں گے۔ چناں چہ یہ دونوں موقع ملتے ہی کفار کا لشکر چھوڑ کر مسلمانوں کے لشکر سے آملے۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۹۱)

اس کے بعد بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مختصر لشکر کو حضور ﷺ نے خرار نامی ایک وادی کی طرف روانہ کیا۔ وہاں سے کفار کا ایک لشکر گزرنے والا تھا۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا۔

خرار نامی یہ وادی غدیرِ خم کے قریب ہے۔ انھیں حضور ﷺ نے یہ ہدایت دی تھی کہ وادی خرار سے آگے مت جانا۔ یہ لوگ رات کو پیدل سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے۔ پانچویں روز معلوم ہوا کہ کفار کا قافلہ ایک دن پہلے گزر چکا ہے، لہٰذا یہ لوگ مدینہ منورہ واپس آگئے۔

(زاد المعاد، ج:۲، ص:۸۳)

ماہ صفر سن دو ہجری میں ساٹھ مہاجرین رضی اللہ عنہم کو (جن میں کوئی انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نہ تھے) آپ ﷺ اپنے ساتھ لے کر قریش اور بنوضمرہ کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے ابواء نامی ایک جگہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

اس غزوے میں مسلمانوں کا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

جب ابواء نامی جگہ پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر کے آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس آگئے۔

صلح کی شرائط یہ تھیں کہ بنوضمرہ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے، نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے اور نہ ہی مسلمانوں کو کبھی دھوکا دیں گے اور ضرورت پڑنے پر مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

اس غزوے کو غزوہ ودان بھی کہتے ہیں۔ دراصل ابواء اور ودان، دو مقام ہیں جو قریب قریب ہیں، جن کے درمیان صرف چھے میل کا فاصلہ ہے۔

آپ ﷺ پندرہ روز کے بعد واپس تشریف لائے۔ اس غزوے میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

(فتح الباری، ج:۷، ص:۲۱)

پھر آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ

کے جا رہا ہے، اس لیے آپ ﷺ ماہ ربیع الاول یا ماہ ربیع الثانی سن ۲ ہجری میں ۲۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر قریش کے اس قافلے پر حملہ کرنے کے لیے بُواط نامی ایک جگہ کی طرف روانہ ہوئے اور سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینے کا حاکم مقرر فرمایا۔

قریش کے اس قافلے میں ڈھائی ہزار اُونٹ تھے۔ امیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی قافلے میں تھے۔ بواط پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ قافلہ نکل چکا ہے، اس لیے آپ ﷺ بغیر لڑائی کے مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۶۲)

ماہ جمادی الاولیٰ سن دو ہجری میں آپ ﷺ دو سو مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر قریش کے قافلے پر، جو ملک شام جا رہا تھا، حملہ کرنے کے لیے عشیرہ نامی ایک جگہ کی طرف نکلے، جو ینبوع کے قریب ہے اور مدینے میں ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

ملک شام جانے والا کفار کا یہ قافلہ وہی ہے جسے شام سے واپسی پر روکنا اور حملہ کرنا چاہا تو یہ قافلہ تو بچ نکلا، لیکن جنگ بدر پیش آ گئی۔ (جنگ بدر کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ!)

سواری کے لیے تیس اونٹ ساتھ لیے، جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باری باری سوار ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے پہنچنے سے کئی روز پہلے قریش کا یہ قافلہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ آپ ﷺ جمادی الاولیٰ کے آخری چند ایام اور جمادی الثانیہ کی ابتدائی چند راتیں وہیں قیام پذیر رہے اور بنی مدلج اور بنی ضمرہ سے معاہدہ کر کے مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

معاہدے کے الفاظ کچھ یوں تھے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک تحریر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے بنوضمرہ کے لیے ہے کہ ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے اور جو شخص بنوضمرہ سے جنگ کا ارادہ کرے گا اس کے مقابلے میں بنوضمرہ کی مدد کی جائے، بشرطے کہ بنوضمرہ اللہ کے دین میں کوئی مزاحمت نہ کریں، یہ شرط ہمیشہ کے لیے ہے۔ نبی کریم (ﷺ) جب انھیں مدد کے لیے بلائیں تو حاضر ہوں گے۔ یہ ان پر اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کا عہد ہے۔ جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار رہے گا اس کی مدد کی جائے گی۔"

(زرقانی، ج:۱، ص:۱۹۶)

.....(جاری ہے).....

اعلان

معزز قارئین! ہمیں ہے آپ کی رائے کا انتظار.....

جی ہاں، آپ ہمیں بتائیے کہ اس سال کے "سال نامے" میں کس شخصیت کا انٹرویو شائع کیا جائے؟

آپ اپنی رائے ڈاک، ای-میل اور واٹس ایپ کے ذریعے دے سکتے ہیں۔ رائے دینے کی آخری تاریخ 30، اپریل 2022 ہے۔

ای۔میل: zouqshouq@hotmail.com

واٹس ایپ نمبر: 0324-2028753

ڈاک پتا: ماہ نامہ ذوق و شوق، کراچی، پی-او-بکس نمبر: 17984 گلشن اقبال، کراچی۔

پوسٹ کوڈ: 75300

بلاعنوان ۱۷۶

قرۃ العین خرم ہاشمی۔ لاہور

''فواد!''

امی نے تیسری مرتبہ آواز دی تو فواد نے جلدی سے کتاب بند کی۔

''امی! آرہا ہوں۔'' فواد نے جلدی سے کہا۔

فواد کمرے سے باہر نکلا تو امی دسترخوان پر کھانا لگا رہی تھیں۔

''سوری امی! کل بہت اہم ٹیسٹ ہے، اسی کی تیاری کر رہا تھا۔'' فواد نے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔

''پڑھنا اچھی بات ہے، مگر بیٹا! وقت پر کھانا کھالیا کرو۔ تمھاری وجہ سے کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا!'' انتظار میں بیٹھی امی نے نرمی سے کہا۔

''آئندہ خیال رکھوں گا۔'' فواد نے باادب انداز میں کہا تو امی مسکراتے ہوئے فواد سے چھوٹی اور جڑواں بہنوں کو آواز دینے لگیں:

''لینا، حریم!'' امی کی ایک ہی آواز پر وہ دونوں بھی بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلیں۔

''کچھ بھول رہی ہو تم دونوں۔''

امی نے دونوں کو بیٹھتے دیکھ کر گھورا تو وہ دونوں سر ہلاتی ہوئی اٹھیں۔

''ہاتھ اچھی طرح دھونا۔'' امی نے ہدایت کی تو اُنھوں نے سر ہلا دیا۔

دفتر میں ہونے کی وجہ سے دوپہر کے کھانے پر اُن کے ابو موجود نہیں ہوتے تھے۔ بسم اللہ پڑھ کر سب نے کھانا شروع کیا۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی فواد کا ذہن کل ہونے والے ٹیسٹ میں الجھا ہوا تھا۔

فواد آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ وہ بہت ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا زندگی میں ایک واضح نصب العین تھا۔ اسے انجینئر بننے کا بہت شوق تھا۔ وہ اسی وجہ سے دن رات محنت کرتا تھا۔ فواد نے بہت کم دوست بنائے تھے۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت تعلیمی سرگرمیوں میں گزارنا پسند کرتا۔

فواد جانتا تھا کہ گزرتا وقت اس کے مستقبل کو بنانے میں اہم کردار ادا کرے گا، اس لیے وہ بہت محنت کر رہا تھا۔ فواد کی لگن اور جنون سے سب گھر والے واقف تھے۔ فواد ویسے تو ایک اچھا اور فرماں بردار بچہ تھا، مگر وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارتا تھا اور نہ ہی اپنی چھوٹی بہنوں کے ساتھ کسی کھیل میں شریک ہوتا تھا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 اپریل 2022 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

''بھائی! آپ ہمارے ساتھ باغیچے میں کھیلیں گے؟'' چھے سالہ عینا نے پوچھا تو فواد نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کل میرا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔'' فواد نے ہمیشہ کی طرح کہا۔

''مگر بھائی! آپ تو ہمیشہ ہی پڑھتے رہتے ہیں۔'' حریم نے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا، اس اتوار کی چھٹی پر تم دونوں کے ساتھ ضرور کھیلوں گا۔'' فواد نے ہمیشہ کی طرح ان سے وعدہ تو کر لیا، مگر جب اتوار کا دن آیا تو وہ اپنا وعدہ بھول گیا۔ دونوں بہنوں نے یاد دلایا تو فواد کو ریاضی کے ٹیسٹ کی فکر تھی۔

☆

''امی! کیا بھائی ہم سے پیار نہیں کرتے؟'' عینا نے اداسی سے امی سے سوال کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے، دراصل فواد کو پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، اس لیے وہ کسی کھیل میں حصہ نہیں لیتا۔''

امی نے پیار سے سمجھایا۔

''امی! پڑھنے کا شوق تو ہم دونوں کو بھی ہے، مگر ہم تو ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے ہیں۔'' حریم نے معصومیت سے کہا۔

''اس لیے کہ ابھی آپ چھوٹی ہو! بھائی بڑی جماعت میں ہے، اس لیے اسے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔''

امی نے پیار سے سمجھایا تو دونوں بہنیں مطمئن ہو کر اپنے کھیل میں مگن ہو گئیں۔ فواد کے بورڈ کے امتحان ہونے تھے، اس لیے فواد دن رات محنت کر رہا تھا۔ امتحان سے کچھ دن پہلے فواد بہت بیمار ہو گیا۔ پہلے پہل چڑھنے والے بخار کو سب نے معمولی سمجھا، مگر جب فواد کی تکلیف بڑھ گئی تو اُسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ اور چیک اَپ کے بعد بتایا کہ فواد کو ٹائیفائڈ ہو گیا ہے۔ فواد کو ایک لمبا وقت مستقل آرام کرنا پڑے گا۔

فواد یہ سن کر بہت پریشان ہوا، مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اب بیماری کی وجہ سے فواد گھر میں رہتا۔ وہ بہت کمزور ہو گیا، اس کا مزاج بھی بہت چڑچڑا ہو گیا۔ عینا اور حریم بھائی کے آگے پیچھے پھرتی رہتیں۔ فواد بہت اداس اور مایوس رہنے لگا، کیوں کہ وہ بیماری کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا تھا۔

وہ دن رات سوچتا رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید اُسے سزا دی ہے۔ ایک دن فواد نے روتے ہوئے اپنے سب گھر والوں سے معافی مانگی۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے سزا دی ہے، کیوں کہ میں آپ سب کو نظر انداز کرتا تھا۔ بہنوں سے جھوٹے وعدے کرتا تھا۔'' فواد نے روتے ہوئے کہا تو اُس کے ابو نے اٹھ کر اُسے گلے سے لگا لیا۔

''فواد بیٹا! ایسے نہیں بولتے۔ جو بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔'' ابو نے پیار سے سمجھایا۔

''مگر ابو بیماری میں کیا حکمت چھپی ہے!؟'' فواد نے حیرت سے سوال کیا۔

بیماری سے اللہ تعالیٰ مومن بندے کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔''

ابو نے نرمی سے سمجھایا تو فواد نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''ان شاء اللہ! تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' امی نے کہا تو فواد مسکرانے لگا۔

کچھ دن بعد صحت یاب ہو کر فواد نے بہت محنت اور لگن سے سالانہ امتحان دیے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔ فواد بہت خوش تھا اور اُس کے گھر والے بھی۔

فواد اَب اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ کھیلتا بھی ہے اور گھر والوں کے ساتھ وقت بھی گزارتا ہے۔ اس کی سمجھ میں آ گیا ہے کہ زندگی توازن کا نام ہے، کسی ایک چیز کے پیچھے بھاگنے کا نام نہیں!

میرب کا رمضان

انعم توصیف۔ کراچی

''امی! بس اب میں افطار کرلوں؟'' سات سالہ میرب نے ظہر کی اذان کے وقت اپنی امی سے کہا۔

''لیکن بیٹا! آپ نے تو آج روزہ رکھا تھا؟'' امی نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

آج ماہِ رمضان کا پہلا روزہ تھا۔ میرب صبح سحری کے وقت امی کے جگائے بغیر جاگ گئی تھی اور اُس نے ضد کر کے روزہ بھی رکھ لیا تھا۔ اب اسے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔

''وہ..... امی! آپ نے کہا تھا نا کہ روزہ رکھنے کے لیے ابھی میں چھوٹی ہوں تو میرا روزہ بھی چھوٹا ہی ہوگا نا۔'' میرب نے معصومیت سے کہا۔

''اچھا، میں آپ کو کچھ کھانے کو دیتی ہوں۔''

کھانا کھانے کے بعد میرب امی کو کام کرتا دیکھنے لگی۔ امی اس وقت کپڑے دھو رہی تھیں۔

''امی! آپ روزے میں اتنے سارے کام کیسے کر لیتی ہیں۔ آپ کو بھوک نہیں لگتی؟ آپ کچھ پڑھتی بھی رہتی ہیں۔ آپ کو پیاس نہیں لگتی؟''

''بیٹا! اس محنت اور برداشت پر ہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!''

میرب امی کو دیکھ کر کچھ سوچتی رہی۔

''امی! آپ کو ابھی اور کیا کیا کام کرنا ہے؟''

''بیٹا! ابھی میں نماز پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کروں گی، پھر میں افطاری کی تیاری کروں گی۔''

امی آرام کرنے کے لیٹیں تو میرب اپنے ننھے ہاتھوں سے ان کے پیر دبانے لگی۔ امی اسے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

امی کے سونے کے دوران میں میرب نے کسی بھی چیز کی ذرا سی بھی آواز نہ ہونے دی، بل کہ خاموشی سے بیٹھ کر وہ بچوں کے ایک رسالے کا مطالعہ کرتی رہی۔

''اگر آپ چھوٹے ہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے تو آپ رمضان میں اللہ تعالیٰ کو خوش کیسے کر سکتے ہیں؟'' ایک تحریر پر اُسے یہ لکھا نظر آیا تو وہ اٹک اٹک کر پوری تحریر پڑھتی چلی گئی۔

آج اس کے اسکول کی چھٹی تھی، تب ہی وہ اس وقت جاگ رہی تھی، ورنہ وہ اسکول سے آ کر سو جاتی تھی۔

''امی! اٹھ گئیں آپ!؟'' میرب نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد امی کو جاگتے دیکھا تو اُن کے پاس چلی آئی۔

''جی بیٹا! اب افطاری تیار کرنی ہے۔''

امی اٹھ کر باورچی خانے میں گئیں تو میرب بھی جلدی سے ان کے پیچھے چلی گئی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ کام کرواؤں گی۔''

''آپ کیسے کام کرو گی، آپ تو چھوٹی ہو ابھی!؟'' امی نے نرمی سے کہا۔

''امی! میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔''

امی چاٹ کے لیے پھل کاٹ رہی تھیں۔ میرب نے کیلے اٹھائے اور اُن کے چھلکے اتار کر پیالے میں ڈالنے لگی۔ اتنی دیر میں امی نے سیب کاٹ کر پیالے میں ڈالا۔

''امی! آپ خربوزہ کاٹیں اور مجھے کچھ اور کام بتا دیں۔''

امی اس کے کام کرنے کی لگن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

''چھری اور چولھے والا کوئی کام بچے نہیں کرتے۔ آپ ایسا کرو کہ ایک بڑے پیالے میں پانی ڈال کر وہ جو سامنے لال شربت کی بوتل رکھی ہے، اس سے شربت نکال کر اس میں ڈال دو، پھر وہ پیالہ فریج میں رکھ دو۔ افطار سے پہلے میں اسے جگ میں انڈیل دوں گی۔''

میرب نے امی کے کہنے کے مطابق ایسا ہی کیا۔ امی آلو کے مزے دار کباب بنانے کے لیے ابلے ہوئے آلو چھیلنے لگیں تو میرب نے آلو چھیلنے کا کام خود کر لیا۔

''شاباش! میری بیٹی نے آج میری بہت مدد کی۔ اب آپ صحن میں جا کر

کھیل لو، ابو بھی دکان سے آتے ہوں گے۔''

افطاری کے وقت میں کچھ ہی دیر باقی تھی، ابو بھی گھر آ چکے تھے۔ میرب جلدی جلدی دسترخوان پر چیزیں لا کر رکھ رہی تھی۔

''ماشاءاللہ! آج تو ہماری بیٹی خوب کام کر رہی ہے۔'' ابو نے اسے دیکھ کر کہا۔ میرب اپنی تعریف پر شرماتی ہوئی باورچی خانے میں بھاگ گئی۔

''شاباش! آپ روزے دار کی مدد کرو گی تو اللہ تعالیٰ بھی آپ سے بہت خوش ہوگا۔''

''ارے! ابو میں نے آج دوپہر کو رسالے میں یہی تو پڑھا تھا:

اگر آپ چھوٹے ہیں، روزہ نہیں رکھتے تو آپ روزے داروں کی مدد کر کے، ان کے ساتھ کام کروا کر اللہ کو خوش کر سکتے ہیں۔''

میرب نے خوشی سے کہا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ابو رسالے میں لکھی یہ بات کیسے جانتے ہیں۔

امی اور ابو، دونوں نے میرب کو مسکرا کر دیکھا اور اُسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ اذان کی آواز آئی تو میرب نے بہت شوق سے افطاری کی۔ محنت کر کے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے، آج میرب کو یہ بھی سمجھ میں آ گیا تھا۔

پیارے بچو! پھر کیا خیال ہے! آپ بھی اس رمضان میں میرب کی طرح اپنی امی اور گھر کے بڑوں کی، کاموں میں مدد کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کریں گے؟

رات کا جن

عمارہ نعیم۔ کراچی

"علی! آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟"

احمر اور فارعہ موسم سرما کی چھٹیاں گزارنے نانی کے گھر آئے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد فارعہ اور ثمرین چھت پر چہل قدمی کر کے جب نیچے اتر رہی تھیں تو سات سالہ علی کو سیڑھی پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں۔"

علی نے فارعہ اور ثمرین کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا، جیسے اسے کچھ خاص نظر آ رہا ہو۔

علی کی بات سن کر فارعہ اور ثمرین کو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ دونوں کچھ دیر علی کو گھورنے کے بعد ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئیں اور پھر بغیر کچھ کہے دونوں نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

اگلے صبح ناشتے کے بعد فارعہ نے ہمت کر کے علی کی طرف دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے لب ہلائے ہی تھے کہ ساتھ بیٹھی ثمرین نے اس کا ہاتھ دبا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"یار ثمرین! تم نے مجھے خاموش کیوں کروایا؟"

ناشتے کے بعد فارعہ نے ثمرین سے پوچھا۔

"مجھے تو وہ علی لگ ہی نہیں رہا تھا، ہو سکتا ہے وہ کوئی جن ہو۔ دیکھا نہیں تھا کس طرح یک ٹک نیچے دیکھے جا رہا تھا، اس نے ہماری طرف پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔ میں نے اسی لیے خاموش کروایا تھا کہ کہیں ہماری وجہ سے بے چارے علی کو اگر ڈانٹ پڑ گئی تو۔"

ثمرین نے ڈرتے ڈرتے اپنی بات کہی، جیسے اس کے آس پاس کوئی موجود ہو جو اس کی بات سن کر اُسے ابھی دبوچ لے گا۔

ثمرین کی بات سن کر فارعہ سوچ میں پڑ گئی۔

دو دن تک تو فارعہ اور ثمرین ڈر کے مارے چھت پر نہیں گئیں۔ تیسرے دن دونوں چھت پر چہل قدمی کر کے اتر رہی تھیں تو علی اسی جگہ اسی انداز میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

''عل.....لی.....ی! آپ تو سو رہے تھے نا!؟''

ثمرین نے ڈرتے ہوئے علی کا منہ اپنی طرف کر کے پوچھا، لیکن پھر اُس کی بڑی بڑی آنکھیں دیکھ کر ثمرین کی ڈر کے مارے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ فارعہ نے فوراً اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اُسے لے کر تیزی سے کمرے میں آگئی۔ دونوں وہاں آکر گہرے گہرے سانس لینے لگیں۔

''واقعی ثمو! تم ٹھیک کہہ رہی تھیں، وہ علی نہیں ہوسکتا، کیسی خوف ناک آنکھیں تھیں اس کی۔''

اب تو فارعہ کا بھی خوف سے برا حال تھا۔

صبح بھی دونوں کمرے سے نکلنے کے لیے تیار نہیں تھیں، مگر ممانی بار بار ناشتے کے لیے بلانے آ چکی تھیں، اس لیے مرے مرے قدموں کے ساتھ ناشتے کی میز پر آگئیں، جہاں علی، احمر اور باقی بچے پہلے ہی بیٹھے تھے۔

''تم دونوں کو معلوم ہے، علی روزانہ رات سوتے ہوئے کہیں چلا جاتا ہے اور پھر واپس آکر سو جاتا ہے!''

احمر نے ناشتا کرتے ہوئے فارعہ اور ثمرین کو دیکھ کر کہا، جس پر دونوں کا نوالہ حلق میں ہی اٹک گیا۔

''آرام سے کھاؤ بیٹا!''

ممانی نے کہا۔

''ہاں، ہم نے علی کو نہیں، بل کہ اس کے جیسے کسی کو دو بار سیڑھی پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ جب اس سے پوچھا تو ایک بار اُس نے کہا کہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا ہے اور پھر کل رات تو اُس کی آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں، جیسے یہ علی نہیں کوئی جن ہو۔''

فارعہ کی بات سن کر سب بچے علی کو یک ٹک دیکھ رہے تھے کہ ممانی کی ہنسی نے سب کو ان کی متوجہ کر دیا۔

''ارے بچو! علی کوئی جن نہیں ہے، بل کہ علی کو آج کل ''somnambulism'' یعنی خواب خرامی کا مرض ہو گیا ہے۔ اس مرض میں سونے والا بچہ ہو یا بڑا، وہ بعض اوقات باتیں کرتا ہے، بعض اوقات چلتا پھرتا بھی ہے، جب کہ وہ گہری نیند میں ہوتا ہے اور اُسے کچھ خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس مرض کی وجہ نیند کا پورا نہ ہونا یا پھر تھکاوٹ بھی ہوتی ہے۔ علی کو بھی آج کل یہ مسئلہ ہو رہا ہے کہ وہ جو کام دن میں کرتا ہے وہی وہ رات میں اٹھ کر بھی کرتا ہے، اس لیے اس پر تھوڑی تھوڑی دیر میں نظر رکھنی پڑتی ہے۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اس پر نظر نہیں رکھی۔''

ممانی کی بات سن کر سب علی کو دیکھنے لگے تو علی نے منہ لٹکا لیا۔ احمر نے اس کا منہ اوپر کیا اور بولا:

''بھئی علی! اس میں منہ لٹکانے والی کیا بات ہے! ممانی نے کہا ہے نا! یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے، آرام کرنے، وقت پر کھانے پینے اور وقت پر سونے سے تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اب جب تک ہم یہاں ہیں تمھارا بہت خیال رکھیں گے، تاکہ تمھاری یہ عادت جلد ختم ہو جائے۔''

احمر نے علی کو ساتھ لگاتے ہوئے اس کی شرمندگی دور کرنے اور اُسے ہمت دلانے کی کوشش کی۔

احمر کی بات سن کر علی مسکرانے لگا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

✷ رجسٹر سائز کے بڑے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔ ✷ سطر چھوڑ کر لکھیے۔ ✷ صفحے کی پیشانی پر اپنا نام، رابطہ نمبر اور مکمل ڈاک پتا لکھیے۔ ✷ کئی عنوانات کے تحت لکھا گیا مواد یکجا نہ کیجیے، بل کہ ہر ہر چیز کو علیٰ حدہ صفحے سے شروع کیجیے۔ ✷ کوئی نظم لکھی ہے تو بھیجنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو کسی پختہ شاعر کو دکھا دیجیے۔ ✷ کوئی اسلامی یا تاریخی واقعہ بھیج رہے ہوں تو آخر میں مکمل حوالہ ضرور لکھیے۔ ✷ کوشش کر کے از خود کہانی لکھیے، کہیں بھی شائع شدہ کہانی نقل کر کے نہ بھیجیے اور خیال رکھیے کہ آپ کی کہانی دل چسپ ہو۔ ✷ انعامی یا مستقل سلسلوں کے لیے بھیجی جانے والی چیز کا عنوان لفافے پر بھی ضرور لکھیے۔ ✷ کسی تہوار یا دن کی مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنا چاہیں تو دو ماہ قبل بھیجیے۔ ✷ اپنی تحریر ارسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور ہمیں اصل کاپی ارسال کیجیے۔ ✷ تحریر میں بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔ ✷ نامحرم کا میل میلاپ یا گفتگو نہ ہو۔ ✷ تحریر فلم، گانے وغیرہ سے پاک ہو۔ ✷ غیر شرعی تقریبات کا ذکر نہ ہو۔

رمضان

ارسلان اللہ خان۔ کراچی

رب کا کتنا ہے احسان
دیکھو آیا ہے رمضان

رزق بڑھا ہر مومن کا
خوب سجے ہیں دسترخوان

قدر کریں ہم اس کی خوب
چند دنوں کا ہے مہمان

اس کے بعد میں ہے شوال
اس سے پہلے ہے شعبان

کاش حرم میں ہو افطار
سب کے دل کا ہے ارمان

کیوں نا لذت دے نیکی!
قید میں جب کہ ہے شیطان

حاصل کرکے ہم تقویٰ
اس سے پاتے ہیں فیضان

رہ مت جانا تم محروم
نیکی کا کرلو سامان

یہی مہینا تھا جس میں
بنا تھا اپنا پاکستان

ذکر ہے اس کا قرآں میں
کتنا ہے یہ عالی شان

روزوں کی یہ برکت ہے
بڑھتا ہے سب کا ایمان

کوئی "کیری" نکمی نہیں

دیا خان بلوچ۔ لاہور

موسم گرما کا آغاز ہوتے ہی اس ننھی کیری نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ روشنی بہت زیادہ تھی، اس نے گھبرا کر فوراً اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"ارے ارے، اسے دیکھو، ابھی سے ڈر گئی۔ جب یہ مکمل پک کر تیار ہو جائے گی تب کیا ہوگا؟" اس آواز پر ننھی کیری نے پٹ سے اپنی آنکھیں کھولیں اور اِدھر اُدھر گھمائیں۔ اس کے چاروں طرف اسی کے جیسی کیریاں آنکھیں کھولے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ ننھی کیری نے بھرپور انگڑائی لی اور ان کے ساتھ گفتگو میں شامل ہو گئی۔

"ارے بہن! میں کسی سے نہیں ڈرتی، میں تو بس ذرا سکون سے سونا چاہ رہی تھی۔ آئی......!" اس کی بات مکمل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا پتھر اسے لگا۔ اس کی دہائی پر سب ہنسنے لگے، جب کہ اس نے جھک کر نیچے دیکھا، درخت کے نیچے چند شریر بچے ان کچی کیریوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"چلو بھاگو یہاں سے، مجھے نہیں آنا تم لوگوں کے پاس۔" ننھی کیری نے منہ بنا کر کہا۔

"جانا تو پڑے گا، جب تم پک کر بالکل تیار ہو جاؤ گی اور تمھارا رنگ بھی سبزے سے سنہرے پیلے میں تبدیل ہو جائے گا تو پھر سب کی نظریں تم پر ہی تو ٹکی ہوں گی۔" اس کے دائیں جانب سے ایک شرارتی کیری چہک کر بولی۔

"کیا مطلب!؟ سنہرا پیلا؟ تو کیا ابھی ہمیں کوئی نہیں خریدے گا؟ ہماری کوئی اہمیت نہیں؟" وہ اُداس لہجے میں بولی۔

"کیا تم نے مجھے نہیں دیکھا، ذرا دیکھو تو میں کیسا خوب صورت لگ رہا ہوں۔" بائیں طرف کے درخت پر لٹکے پیلے سے آم نے ذرا آگے ہو کر ننھی کیری کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"واہ بھیا! تم تو بہت خوب صورت لگ رہے ہو۔ تمھاری تو بہت قدر قیمت ہوگی، لیکن کیا ہماری کوئی جگہ نہیں؟" وہ پھر غمگین ہو گئی۔

"کیوں نہیں! ہمارے تو بہت سے فوائد ہیں، تبھی تو ہمیں پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا

ہے۔ ہمارے اندر وٹامن ''اے، سی'' اور ''کے'' کی اچھی مقدار پائی جاتی ہے۔ ہماری خوش بو اتنی سوندھی ہے کہ ہر خاص و عام کھنچا چلا آتا ہے۔ سستے، اور مہنگے، ہر طرح کے نرخ پر دست یاب ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سب ہی کی رسائی ہم تک ہے۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا۔

''اور تو اور، تمھاری یعنی کیری کی بھی بہت افادیت ہے۔ اِس کا مزے دار سا جوس بھی تیار کیا جاتا ہے جو کہ گرمی کا توڑ بھی کہلاتا ہے۔ میں تمھیں اِس کی ترکیب بتاتا ہوں۔ کچھ لوگ تمھیں چھیل کر اُبال لیتے ہیں، پھر گٹھلی نکال کر اُسی اُبلے پانی کے ساتھ بلینڈر میں ڈال کر پیس لیتے ہیں۔ اب جتنی کیری لی ہو اتنی شکر شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکا لیتے ہیں، پھر جب گاڑھا ہو جائے تو اُسے چولھے سے اُتار کر ٹھنڈا کرنے کے بعد اُس میں لیموں اور کالا نمک بھی شامل کر دیتے ہیں، پھر اُسے بوتل میں بھر کر فریج میں رکھ لیتے ہیں۔ ہے نا مزے کا شربت!؟'' پیلے آم نے مزے سے ساری داستان سنائی۔

''جی ہاں، یہ تو بہت مزے کی بات بتائی ہے تم نے۔'' ننھی کیری خوش دلی سے بولی۔

''تمھیں بس اپنا خیال رکھنا ہے۔ جب بھی آندھی طوفان آئے تم نے اس درخت کی شاخ سے جدا نہیں ہونا۔ اگر تم تیز ہوا میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکیں اور زمین بوس ہو گئیں تو پھر تم ہم سب سے الگ ہو جاؤ گی، پھر تمھیں یہ شریر بچے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔'' یہ اس کے ساتھ موجود دوسری کیری بولی تھی، جو اُسے اپنے گھر سے جڑے رہنے کا سبق دے رہی تھی۔

''لیکن اگر میں زمین پر گر گئی تو.....'' اُس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو، تم میرے ساتھ رہو گی اور ہم ایک ساتھ آم بن کر منڈی میں جائیں گے۔''

اُس کی ایک اور سہیلی نے اُسے تسلی دی۔ لیکن یہ تو آپ سب کو معلوم ہے کہ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ دو دن بعد ہی ہواؤں نے زور پکڑا اور آندھی کی صورت اختیار کر لی۔ جہاں اور بہت سے نقصان ہوئے وہاں باغ میں بہت سی کیریاں بھی بے گھر ہو گئیں، جن میں ننھی کیری بھی شامل تھی۔ دوستوں سے جدائی اور یوں بے وقعت ہو کر گرنے کی وجہ سے ننھی کیری کو بہت زیادہ رونا آیا۔ تبھی اُسے کسی انسان کے قدموں کی آواز آئی، پلٹ کر دیکھا تو وہی بچہ آج پھر یہاں موجود تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جس میں وہ فرش نشیں کیریوں کو چُن کر ڈالتا جا رہا تھا، اُس کی خوشی بھی دیدنی تھی۔

''ہاں، آج تو تم بہت خوش ہو گے، تمھاری خواہش جو پوری ہو گئی ہے۔'' اُس نے جل کر سوچا اور خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ باغ سے جاتے وقت وہ بہت اداس تھی۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھتی رہی، لیکن کوئی بھی تو اُس کی مدد نہ کر سکتا تھا۔

وہ بچہ اُسے اپنے گھر لے گیا، جہاں دیگر کیریوں کے ہم راہ اُسے بھی صاف پانی سے نہلایا گیا، پھر کچھ کیریوں کو اَچار کے لیے تیار کر لیا گیا اور کچھ کا شربت بنا لیا گیا۔ اتفاق سے ننھی کیری بھی اُس مزے دار شربت کا حصہ تھی جس کے بارے میں اُسے سنہرے آم نے بتایا تھا۔ آج اُس نے سوچا کہ کچھ بھی تو رائیگاں نہیں، ہر چیز کی اپنی اہمیت اور اِفادیت ہے، پھر چاہے وہ آم ہو یا پھر اَچار کی صورت ہو، شربت ہو یا کیری کا مربا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں جیسا مقام ملا ہے۔

اب ننھی کیری مطمئن بھی تھی اور خوش بھی، اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی بھی کیری نکمی نہیں اِس جہاں میں۔

عید سے پہلے عید

فہیم زیدی۔ دمام، سعودی عرب

اتوار والے دن تینوں بچے ہاتھوں میں تھیلیاں تھامے ٹوٹے پھوٹے کچے مکانوں پر مشتمل ایک محلے کی ایک گلی میں داخل ہوگئے اور تینوں نے اپنے مطلوبہ گھر کی تلاش شروع کردی، مگر انھیں وہ گھر نہیں ملا۔

یہ گلی خاصی گندی اور بدبودار تھی، جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جیسے متعلقہ محکمے اور اہل محلے نے اس گلی کی کئی ہی سالوں سے صفائی ہی نہ کی ہو۔ بدبو تو بہت تھی، مگر تینوں جس کام کے لیے یہاں آئے تھے وہ کام بھی انھیں کرنا تھا، اسی لیے بدبو کی پروا کیے بغیر کچے گھروں کی ٹوٹی پھوٹی دیواروں یا ٹین اور لکڑی کے دروازوں پر لکھے نمبر پڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔ انھیں مطلوبہ مکان نمبر تلاش کرنے میں دشواری ہورہی تھی۔ جب کافی دیر تلاش کے بعد بھی انھیں وہ گھر نہ ملا تو اُنھوں نے ایک گھر سے نکلنے والے بابا جی سے اپنے مطلوبہ مکان کا پوچھا جس پر اُنھوں نے بتایا کہ وہ مکان ساتھ والی گلی میں ہے۔ تینوں خوش ہوگئے اور تیز تیز دوسری گلی کی جانب قدم بڑھادیے۔

.....☆.....

''تو کیا دادا جان! آپ کو ہمیشہ اس طرح کے کام کرکے خوشی محسوس ہوتی تھی۔'' سلمان نے اپنے دادا جان سے پوچھا۔

''نہ صرف خوشی ہوتی تھی، بل کہ دل کو ایک سکون اور اطمینان بھی ملتا تھا۔'' دادا جان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تو آپ اپنے ابو، یعنی میرے پردادا کو جب بتاتے ہوں گے تو وہ بھی بہت خوش ہوتے ہوں گے۔'' سلمان نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

''بیٹا! حکم یہی ہے کہ کوئی بھی نیکی کرو تو بہت خاموشی سے کرو، اس کا چرچا نہ کرو۔ ہم نے کبھی اپنی نیکی کا ذکر اپنے ابو سے نہیں کیا۔'' دادا ابو نے جواب دیا۔

''واہ دادا جان! اب تو کوئی چھوٹی سی بھی نیکی کرلے تو فوراً ہی فیس بک وغیرہ پر تشہیر کردیتا ہے۔'' سلمان نے دادا جان کو بتایا۔

''اور اگر کبھی ابو کو خود کہیں سے معلوم ہوجاتا تھا تو خوش ہوتے تھے اور یہی تلقین کرتے تھے کہ جتنا بھی رب نے تمھیں نوازا ہے اس پر اُس کا شکر ادا کرو اور اپنی بساط کے مطابق ضرورت مندوں کا بھی خیال رکھو۔'' دادا نے مسکرا کر سلمان کو تفصیل سے جواب دیا۔

''چلو سلمان! دادا جان کو سونے دو اَب، صبح نماز کے لیے بھی اٹھنا ہے، تم بھی اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ اَب۔'' سلمان کی امی نے دادا جان کے کمرے میں داخل ہوکر سلمان سے کہا۔

''جاؤ شاباش! باقی باتیں ہم کل کریں گے۔'' دادا جان نے مسکرا کر کہا تو سلمان بھی مسکراتے ہوئے دادا جان کے کمرے سے نکل گیا۔

.....☆.....

''ابو! آپ مجھے اس دفعہ کتنی عیدی دیں گے؟'' سلمان نے اپنے ابو کے آفس سے آنے کے بعد اُن سے پوچھا۔

''جتنی ہر دفعہ دیتے ہیں اتنی ہی دیں گے بھئی!'' سلمان کے ابو نے اسے جواب دیا۔

''نہیں ابو! مہنگائی بہت ہوگئی ہے، اب اس عیدی میں گزارا نہیں ہوتا، مجھے اس دفعہ پانچ سو کے بجائے پورے ہزار روپے چاہییں۔'' سلمان نے اٹل انداز میں کہا۔

''ہزار روپے! بھئی مانا کہ مہنگائی بڑھ گئی ہے، مگر پانچ سو کی جگہ چھے سات سو سے بھی کام چل سکتا ہے، ایک دم سے اتنی زیادہ عیدی!؟'' سلمان کے ابو نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ابو! آپ کو بتایا نا کہ کم عیدی میں گزارا مشکل ہے!'' سلمان نے اپنے ابو سے دوٹوک الفاظ کہے۔

''ٹھیک ہے، بھئی ٹھیک ہے، آپ کو اس دفعہ عیدی ہزار روپے ہی دے دی جائے گی۔'' سلمان کے ابو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تو پھر جلدی سے نکالیے ہزار روپے۔'' سلمان نے فوراً ابو کے سامنے ہاتھ بڑھا دیا۔

''بھئی اتنی جلدی عیدی! عید آنے میں ابھی پورے دس دن باقی ہیں۔'' سلمان کی امی جو پاس ہی بیٹھی باتیں سن رہی تھیں، حیرانی سے بولیں۔

''جی امی! آپ بھی ہزار روپے آج ہی دے دیں۔ دادا جان تو سو چکے ہوں گے، کل ان سے بھی پانچ سو روپے عیدی لینی ہے اور ہاں، ثوبیہ آپی سے بھی تھوڑی بہت عیدی چاہیے مجھے اس دفعہ۔'' سلمان نے اپنی امی کی حیرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مگر اتنی جلدی بھی کیا ہے بیٹا!؟'' اس کی امی پھر پوچھا۔

''امی! آپ عید والے دن بھی تو دیں گی ہی تو براہِ مہربانی آج ہی دے دیں!'' سلمان نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''کوئی وجہ تو ہوگی اتنی جلدی عیدی لینے کی؟'' سلمان کے ابو نے پوچھا۔

''امی! میں ابھی آپ لوگوں کو کچھ نہیں بتا سکتا، آپ لوگ بس جلدی سے مجھے عیدی ابھی دے دیں۔'' سلمان نے امی کے سامنے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بھئی، تم جیتے، ہم ہارے!'' سلمان کے ابو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور اُس میں سے دو ہزار روپے سلمان کے ہاتھ میں رکھ دیے تو سلمان خوشی سے ابو کے گلے لگ گیا۔

.....☆.....

''باسط! عید سر پر ہے، تمھارے عید کے کپڑے بن گئے؟'' سلمان نے اپنے ہم جماعت باسط سے پوچھا۔

''ایک ہفتے پہلے ہی امی ابو میرے عید کے کپڑے لے آئے ہیں۔'' باسط نے سلمان کو جواب دیا۔

''کاشان! تمھارے امی ابو بھی لے آئے؟'' سلمان نے دوسرے دوست سے پوچھا۔

''نہیں، دو دن بعد امی ابو بازار جائیں گے لینے۔'' کاشان نے جواب دیا۔

''اور تم دونوں کو عیدی کتنی ملتی ہے؟'' سلمان نے دونوں سے پوچھا۔

''عید کے تینوں دنوں میں مجھے تقریباً تین چار ہزار روپے مل جاتے ہیں۔'' باسط نے بتایا۔

''اور مجھے بھی تین ہزار روپے تک۔'' کاشان نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''میں نے تو اپنے امی ابو سے عیدی لے بھی لی ہے۔'' سلمان نے دونوں کو بتایا تو وہ حیران رہ گئے۔

''عید سے پہلے عیدی کیسے مل گئی تمھیں!؟'' کاشان نے حیران ہوکر پوچھا۔

''بس مل گئی ہے، ایک خاص مقصد کے لیے لی ہے۔ اگر تم لوگ میرا ساتھ دینا چاہو تو تم لوگ بھی اپنے امی ابو سے کل ہی عیدی لے لو۔'' سلمان نے مسکرا کر کہا۔

''کیسا ساتھ بھئی!؟'' باسط نے متعجب ہوکر پوچھا تو سلمان نے عید سے پہلے عیدی لینے کی وجہ دونوں کو بتائی۔ وہ دونوں بھی سلمان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئے اور پھر اُنھوں نے بھی یقین دلایا کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی اپنے امی ابو سے آج ہی عیدی طلب کریں گے۔

.....☆.....

برابر والی گلی میں جا کر اُنھیں اپنا مطلوبہ گھر تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ دروازے پر پہنچ کر باسط نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک ضعیف خاتون

باہر نکلیں اور اُنھیں سوالیہ انداز میں دیکھنے لگیں۔ سلمان نے ادب سے سلام کر کے ان سے پوچھا:

''اماں جی! چاچا بشیر صاحب کا گھر یہی ہے!؟''

''جی یہی ہے، مگر آپ لوگ کون ہیں؟'' ضعیف خاتون نے سوال کیا۔

''اماں جی! میرا نام سلمان ہے، یہ میرے دوست باسط اور کاشان ہیں۔ ہم اس اسکول میں پڑھتے ہیں جہاں چاچا بشیر غبارے فروخت کرتے ہیں۔'' سلمان نے تینوں کا تعارف کروایا۔

''اوہ! اچھا، اچھا۔'' ضعیف خاتون نے کہا۔

''اب چاچا بشیر صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟'' باسط نے سوال کیا۔

''جب سے فالج کا حملہ ہوا ہے بستر سے لگ گیا ہے، کچھ بول بھی نہیں سکتا میرا بچہ۔'' ضعیف خاتون نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔

''اماں جی! اللہ تعالیٰ کرم کرے گا، چاچا جلد ٹھیک ہو جائیں گے، ان شاء اللہ!'' کاشان نے دلاسا دیا۔

''بس اس رب سے یہی دعا ہے کہ میرا بچہ جلد ٹھیک ہو جائے۔'' ضعیف خاتون جو چاچا بشیر کی اماں تھی، نے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اماں جی! کیا ہم چاچا بشیر سے مل سکتے ہیں؟'' سلمان نے پوچھا۔

''جی جی بیٹا! اندر آ جایئے آپ لوگ۔'' ضعیف خاتون نے اپنے دوپٹے کے پلّو سے آنسو صاف کر کے شفقت سے کہا اور اُنھیں اندر آنے کے لیے جگہ دے دی۔

جب تینوں گھر کے اندر داخل ہوئے تو اُنھیں ایک چھوٹے سے صحن میں ایک طرف چھوٹا سا باورچی خانہ، اس کے ساتھ ہی غسل خانہ، بیت الخلا اور ایک چھوٹا اور خستہ حال کمرا نظر آیا۔ اندر کمرے میں انھیں اپنے ہم عمر تین بچے بھی زمین پر کھیلتے نظر آئے اور ایک پلنگ پر چاچا بشیر فالج کی وجہ سے چھت کی جانب نظر جمائے نظر آیا۔ تینوں نے چاچا بشیر کو سلام کیا اور کاشان نے پوچھا:

''چاچا! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟''

جواب میں چاچا بشیر نے گردن کو جنبش دینے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا، پھر اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر وہ کہہ نہ سکا۔

''چاچا! آپ لیٹے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد شفا دے گا۔'' سلمان نے چاچا بشیر کے ہلنے کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

چاچا بشیر تینوں کو مستحسن نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد سلمان بولا:

''اماں جی! کچھ کپڑے ہم ان بچوں کے لیے عید پر پہننے کے لیے لائے ہیں، اسے ہماری طرف سے عید کا تحفہ سمجھیں۔''

''جیتے رہو بچو!'' چاچا بشیر کی اماں نے انھیں دعا دی۔

''اماں! یہ بہت تھوڑے سے پیسے چاچا کی دواؤں کے لیے ہیں، یہ بھی رکھ لیں۔'' باسط نے جیب سے تین ہزار روپے نکال کر اماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

چاچا بشیر کی اماں نے پیسے ہاتھ میں لے کر تینوں کو ممنونیت سے دیکھا اور ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

''اماں جی! اب اجازت دیں، امی ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔'' سلمان نے فوراً اجازت لی اور تینوں چاچا بشیر کے گھر سے نکل آئے۔

.....☆.....

''بیٹا! چھٹی والے دن اتنی صبح ہی صبح کہاں گئے تھے؟'' سلمان گھر میں داخل ہوا تو اُس کی امی نے پوچھا۔

''کچھ نہیں امی! وہ تھوڑا سا کام تھا اس لیے باہر گیا تھا۔'' سلمان نے بات ٹالی۔

''کیا ایسا کام تھا جو ہمیں بھی نہیں بتا سکتے۔'' اس کی امی نے پھر سوال کیا۔

''یہ اپنے دوستوں کے ہمراہ ساتھ والی کچی بستی میں گیا تھا۔'' سلمان کے ابو نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''کچی بستی گئے تھے، مگر کیوں بھئی!؟'' سلمان کی امی نے حیرانی سے پوچھا۔

''ابو! آپ کو کیسے پتا چلا!؟'' سلمان نے متعجب ہو کر پوچھا۔

''پڑوس والے جاوید صاحب نے بتایا ہے، انھوں نے ہی آپ کو اُس طرف سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔'' سلمان کے ابو نے بتایا۔

''وہ ابو! اصل میں ہمارے اسکول کے باہر چاچا بشیر غبارے بیچتے ہیں۔ ان کے گھر ہی گیا تھا میں باسط اور کاشان کے ساتھ۔'' سلمان نے بتایا۔

''کیوں گئے تھے وہاں آپ بیٹا!؟'' سلمان کے ابو نے پوچھا۔

''ابو! چاچا بشیر بے چارے بہت غریب ہیں ان پر فالج کا حملہ تو اُن کی طبیعت پوچھنے اور.....''

''اور کیا؟'' سلمان کی امی نے سلمان کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

''امی! کچھ دن پہلے آپ اور ابو سے میں نے عید سے پہلے اور زیادہ عیدی لی تھی نا! اسی لیے لی تھی اور اُن کے بچوں کو ہم نے عید کے لیے کپڑے بھی خرید کر دیے ہیں۔'' سلمان نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

''بیٹا! یہ تو اچھی بات ہے، ہمیں بھی بتانا چاہیے تھا نا!'' سلمان کے ابو نے ستائشی انداز میں کہا۔

''ابو! دادا جان نے کہا تھا کہ کوئی بھی نیکی یا کسی کے ساتھ بھلائی کرو تو اُس کا چرچا نہ کرو، بس اسی لیے ہم تینوں دوستوں نے خاموشی سے بشیر چاچا کی مدد کی۔'' سلمان نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

''شاباش! مگر آپ کو یہ نیکی کرنے کا خیال کیسے آیا؟'' سلمان کی امی نے پوچھا۔

''امی! دادا جان اکثر اپنے اس طرح کے قصے سناتے رہتے ہیں تو میرے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی کسی غریب کے کام آؤں۔ جب چاچا بشیر بیمار ہوئے تو خیال آیا کہ وہ اپنے بچوں کو عید کے کپڑے کیسے بنا کر دیں گے۔'' سلمان نے اپنی امی کو جواب دیا۔

''یہ سچ ہے کہ جو گھر کے بڑے کرتے ہیں وہی کام چھوٹے سرانجام دے کر بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور آج ہمارے سلمان میاں نے اپنے عمل سے یہ ثابت بھی کر دیا!'' دادا ابو کی آواز سنائی دی۔ سب نے چونک کر کمرے کے دروازے طرف دیکھا۔

''ابو آپ! اندر آئیں، باہر کیوں کھڑے ہیں۔'' سلمان کے ابو نے اپنے والد سے کہا۔

''میں دروازے پر کھڑا خاموشی سے سلمان میاں کا کارنامہ سن رہا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے بچے نے ایک غریب اور بیمار کی مدد کی۔'' دادا ابو نے کمرے میں داخل ہو کر سلمان کی تعریف کی۔

''جی دادا جان! عید بھی ہے اور اِس سے بڑھ کر عید کی ہمیں کیا خوشی حاصل ہوگی کہ ہم نے عید پر کسی مستحق اور غریب کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کیا۔'' سلمان نے کہا۔

''اسی بات پر میری طرف سے عید سے پہلے مزید عیدی وصول کرو بیٹا!'' دادا جان نے شفقت سے کہا اور اپنی جیب سے دو ہزار روپے نکال کر سلمان کو دے دیے۔

''دادا جان! یہ تو واقعی عید سے پہلے میری عید ہو گئی۔'' سلمان نے خوش ہو کر کہا اور فرطِ جذبات سے دادا جان سے لپٹ گیا۔

سوال آدھا جواب آدھا ۳۱

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰، اپریل تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

❶ سورۂ فاتحہ کو ''بابُ القرآن'' (قرآن کا دروازہ) بھی کہا جاتا ہے..... آپ یہ بتائیے کہ ''فسطاط القرآن'' (قرآن کا خیمہ) کس سورت کو کہا جاتا ہے؟

❷ قرآن مجید میں حضرت زکریا ؑ کا تذکرہ چار سورتوں (سورۂ آل عمران، سورۂ انعام، سورۂ مریم اور سورۂ انبیاء) میں آیا ہے..... بتائیے حضرت سلیمان ؑ کا ذکر قرآن مجید کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

❸ ''ابوالانبیاء'' حضرت ابراہیم ؑ کا لقب ہے..... بتائیے ''اُم الانبیاء'' کون سے نبی ؑ کی زوجہ محترمہ کا لقب ہے؟

❹ دینی اصطلاح میں ''تہلیل'' سے مراد ''لا الہ الا اللہ'' کہنا ہے..... بتائیے ''تخلیل'' سے کیا مراد ہے؟

❺ لانس نائیک محمد محفوظ (نشانِ حیدر) 16 دسمبر 1971ء کو ''واہگہ انٹری سیکٹر'' میں شہید ہوئے تھے..... بتائیے سوار محمد حسین (نشانِ حیدر) کس محاذِ جنگ پر شہید ہوئے تھے؟

❻ ''ڈورل انٹرنیشنل ایئرپورٹ'' کینیڈا کے شہر مانٹریال میں واقع ہے..... بتائیے اگر کوئی جہاز ''ہیتھرو انٹرنیشنل ایئرپورٹ'' پر اُترے تو وہ برطانیہ کے کس شہر میں ہوگا؟

❼ کویت کی پارلیمنٹ ''مجلس العلماء'' کہلاتی ہے..... آپ یہ بتائیے کہ ترکی کی پارلیمنٹ کو کیا کہا جاتا ہے؟

❽ بلخ، مرغی، کیوی، بگلا، شتر مرغ وغیرہ وہ پرندے ہیں جو اُڑ نہیں سکتے، لیکن چل پھر سکتے ہیں اور دوڑ بھی سکتے ہیں..... بتائیے وہ کون سا پرندہ ہے جو اُڑ سکتا ہے، لیکن چل نہیں سکتا؟

❾ وٹامن (حیاتین) ''D'' کی کمی دور کرنے کے لیے دودھ، دہی وغیرہ استعمال کرنا چاہیے..... بتائیے وٹامن ''K'' کی کمی دور کرنے کے لیے کیا استعمال کرنا چاہیے؟

❿ ''سائیں سائیں کرنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''ہوا کی وجہ سے پتوں سے آواز نکلنا''..... بتائیے ''بھائیں بھائیں کرنا'' کا کیا مطلب ہے؟

مشینی انڈا

قانتہ رابعہ۔ گوجرہ

سارے نواسے نواسیاں نانی کے اردگرد جمع تھے۔ نانی انھیں مزے مزے کی کہانیاں سناتیں، کبھی نظمیں سنائی جاتیں۔

موئی کہتا: ''نانی! ریل گاڑی والی نظم سنائیں۔''

نانی جان

''آئے گاڑی ، جائے گاڑی
کیا کیا سیر ، کرائے گاڑی

سنانا شروع کر دیتیں۔

عائشہ کہتی: ''ہنسنے والی کہانی سنائیں تو نانی ہنسنے والی کہانی شروع کر دیتیں۔''

آج موئی کی فرمائش تھی:

''نانی! مرغی کی بے بی کی نظم سنائیں۔''

نانی جان نے مرغوں کی ساری نظمیں ذہن میں جمع کیں تو ایک اسکول کے زمانے کی یاد آ ہی گئی۔

نانی جان نے نظم شروع کی۔ عائشہ، سلمان، مصعب، ہالہ اور ابراہیم، سب نانی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

چوں چوں چوں ، چوں چوں چوں
میں منا سا چوزہ ہوں
مرغی میری امی ہے،

میں امی کا بیٹا ہوں
چوں چوں چوں ، چوں چوں چوں
ننھے بچو! دوڑ کے آؤ،
بات میری سنتے جاؤ
ہم سب کی ہے ٹولی ایک
ہم سب کی ہے بولی ایک
تم کرتے ہو غوں غوں غوں غوں
میں کرتا ہوں چوں چوں چوں
چوں چوں چوں ، چوں چوں چوں

سب بچے ہنسنے لگے، جب کہ موسیٰ خاموش بیٹھا رہا۔

''موسیٰ جی! کیا ہوا؟'' نانی جان نے پوچھا۔

نانی جان! چوزے کی امی مرغی ہوتی ہے کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی بیٹے! تمام چوزوں کی امی، مرغیاں اور بابا، مرغے ہوتے ہیں۔'' نانی نے سمجھایا۔

''چوزے تو انڈے سے نکلتے ہیں، وہ ان کے امی بابا کیسے بن گئے؟''

کافی مشکل سوال تھا، خیر سمجھ میں آ ہی گیا کہ بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے، گائے کا بھی بچہ پیدا ہوتا ہے، بس جو پرندے ہوتے ہیں ان کے بچے انڈوں سے نکلتے ہیں۔

اب سلمان کی تسلی نہیں ہوئی، اس نے حیرانی سے پوچھا:

''نانی! مرغی تو نہیں اڑتی، وہ پرندہ کیسے ہوئی؟''

''بھئی، بات یہ ہے کہ وقت پڑنے پر اپنے پروں سے کام لے کر اڑ سکتی ہے اور ویسے بھی جس کے بھی پر ہوتے ہیں وہ پرندہ ہی کہلاتا ہے۔'' نانی جان نے سمجھایا۔

''لیکن انڈا مرغی کے پیٹ میں کیسے بنتا ہے اور کون بناتا ہے؟'' موسیٰ نے دو سوال ایک ہی سانس میں کر دیے۔

نانی جان مسکرائیں: ''مرغی کے پیٹ میں انڈے وہی بناتا ہے جو آپ کو، مجھے اور ساری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ!؟'' موسیٰ نے فوراً حیرت سے پوچھا۔ ''تو پیٹ میں انڈا بنتا کیسے ہے؟''

''اُف!'' نانی جان نے گھومتے سر کو قابو کیا۔ ''بھئی جیسے بکری کے پیٹ میں بچہ بنتا ہے ویسے ہی مرغی کے پیٹ میں انڈا بنتا ہے۔ اللہ جی نے اس کے پیٹ میں ایک مشین لگائی ہوئی ہے، جو دانہ دنکا وہ کھاتی ہے اس سے انڈا بنتا ہے۔'' نانی جان نے کہا۔

اب موسیٰ کو شاید یہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ مرغی کے پیٹ میں ایک مشین لگائی گئی ہے جو انڈے بناتی ہے، کیوں کہ اس کے بعد اُس نے کوئی بات نہیں پوچھی اور سب بچے اپنے اپنے کھیلوں میں مصروف ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد موسیٰ اور سلمان، دونوں مرغی کے پیچھے بھاگتے ہوئے دکھائی دیے، کبھی اوپر کبھی نیچے۔ دونوں کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

''ارے بھئی، مرغی کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہو؟'' نانی نے پوچھا۔

''ہم مرغی کو اُوپر لے جا کر نیچے پھینکنا چاہ رہے ہیں۔'' سلمان نے کہا۔

''وہ کیوں!؟'' نانی کا منہ کھلا رہ گیا۔

''نانی جان! کل اس مرغی نے میرا سیل والا کھلونا توڑا تھا، آج میں اسے پھینکوں گا تو اس کے اندر کی مشین ٹوٹ جائے گی اور یہ بھی ٹوٹے ہوئے انڈے دے گی۔'' دونوں خوشی خوشی بتا رہے تھے اور نانی سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

☆ کمزور لوگ موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں، جب کہ باہمت انسان خود مواقع پیدا کرتے ہیں۔

☆ بُرا دوست کوئلے کی مانند ہے۔ گرم ہو تو جلائے گا، ٹھنڈا ہوگا تو کم از کم ہاتھ کالا کرے گا۔

☆ وقت کی ایک عادت بہت اچھی ہے، جیسا بھی ہو، گزر جاتا ہے۔

☆ نگاہ کا تعلق سوچ سے ہے اور سوچ کا تعلق عمل سے ہے۔ نگاہ درست کرلو، عمل درست ہوجائے گا۔

☆ بعض غلطیاں زندگی بھر کی محنت و ریاضت کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔

(آمنہ احمد۔ کراچی)

☆ درخت جتنا اونچا ہوگا اس کا سایہ اتنا ہی چھوٹا ہوگا، اس لیے ''اونچا'' بننے کی بجائے ''بڑا'' بننے کی کوشش کرو۔

(مسفرہ شعیب۔ کراچی)

☆ اپنی زندگی ایسے جیو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجاؤ، دنیا والوں کی سوچ تو روز بدلتی رہتی ہے۔

☆ مصروف زندگی نماز کو مشکل بنا دیتی ہے، لیکن نماز مصروف زندگی کو بھی آسان بنا دیتی ہے۔

☆ غیر ضروری ''تنقید'' وہ تلوار ہے جو سب سے پہلے خوب صورت تعلقات کا سر قلم کرتی ہے۔

(محمد ریان بن عبدالمنان۔ کراچی)

☆ لوگوں کو دُعا کے لیے کہنے سے زیادہ بہتر ہے ایسے کام کرو کہ لوگوں کے دل سے آپ کے لیے دعا نکلے۔

☆ اگر کوئی آپ کی فکر کرتا ہے تو اُس کی قدر کرو، کیوں کہ دنیا میں تماشائی زیادہ ہیں اور قدر کرنے والے بہت کم۔

☆ ادب بہترین کمال ہے۔

(ناہید۔ ٹھٹھہ)

☆ بدلہ لینے میں جلدی اور نیکی کرنے میں تاخیر نہ کیجیے۔

☆ کسی کی مدد کرتے وقت اُس کے چہرے کی جانب مت دیکھو۔ ہوسکتا ہے اُس کی شرمندہ آنکھیں تمھارے دل میں غرور کا بیج بو دیں۔

(سمیہ بنت حسن۔ حیدرآباد)

☆ فراخیِ رزق، سخاوت میں ہے، لوگ اسے کنجوسی میں تلاش کرتے ہیں۔

☆ انسان کی سمجھ داری یہ ہے کہ وہ کفایت شعار ہو۔

(حیدر علی۔ میرپور خاص)

☆ عقل مند اپنے آپ کو پست کرکے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اُٹھاتا ہے۔

☆ بُرائی ہوجائے تو اُسے ختم کرنے کے لیے نیکی کرو۔

(صہیب اسلم۔ رحیم یار خان)

☆ اصل طاقت برداشت کرنے میں ہوتی ہے، انتقام لینے میں نہیں۔

☆ مخلص انسان ہمیشہ یاد رہتے ہیں، دلوں میں بھی، لفظوں میں بھی اور دعاؤں میں بھی۔

☆ برداشت، بزدلی نہیں، بل کہ زندگی کا ایک اہم اصول ہے۔ جس کے پاس برداشت اور قوت ہے وہ کبھی نہیں ہار سکتا۔

(شاہد۔ لودھراں)

☆ حقیقی اور بے لوث تعلق وہ ہوتا ہے جو وقت، حالات، ضرورت اور مزاج کے بدلنے کے باوجود بھی قائم رہے۔

☆ صرف ایک دکھ یا پریشانی کو بنیاد بنا کر مسلسل ناشکری اختیار کرلینا آنے والی خوشیوں کو بھی ٹال دیتا ہے۔

(صفیہ سہیل۔ لاہور)

بکھرے موتی

قارئین

ش۔م۔دانش۔میاں والی

مکافاتِ عمل

''آبِ حیات'' اس سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر موجود تھا، لیکن یہ دو فٹ اس کے لیے دیوارِ چین کی مسافت جتنے ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے ہاتھ ''آبِ حیات'' کی طرف بڑھانا چاہا، لیکن اس کا ہاتھ مفلوج ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے جسم کی پوری طاقت اس کی طرف کھسکنے میں لگا دی، لیکن اس کا جسم بمشکل ایک انچ ہی سرک سکا کہ کھسکنے کی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ اس نے بے بسی سے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، لیکن کسی جانب کوئی امید کی کرن نظر نہیں آئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو چکا تھا۔

اس نے آخری کوشش کے طور پر پوری قوت مجتمع کر کے چیخنا چاہا کہ شاید کوئی اس کی آواز سن کر اس کے قریب آ جائے، لیکن اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اس سے پہلے بھی وہ کافی آوازیں دے چکا تھا، لیکن شاید اس کی آواز سننے کے لیے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دو گھنٹے سے مسلسل اس ''آبِ حیات'' تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن سوائے چند سینٹی میٹر کھسکنے کے اور کچھ نہ کر سکا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کے مناظر گھومنے لگے، جب وہ جس وقت جو چاہتا آسانی سے کر لیا کرتا تھا، لیکن اس وقت وہ اپنی شدید خواہش اور کوشش کے باوجود بھی صرف دو فٹ کا فاصلہ طے نہیں کر پا رہا تھا۔ یہ وہ فاصلہ تھا جو طے ہو جاتا تو شاید اس کی جان بچ جاتی یا پھر کوئی وہاں آ کر وہ ''آبِ حیات'' اسے پلا دیتا تو پھر بھی اس کی جان بچ سکتی تھی، لیکن یہ دونوں کام ناممکن نہیں تو بہت زیادہ مشکل ضرور لگ رہے تھے۔

اس نے مزید کھسکنے اور ہلنے جلنے کی کوشش ترک دی اور ہانپنے لگا، اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اس راستے کو تک رہی تھیں، جس سے اچانک کوئی رحمت کا فرشتہ آ سکتا تھا۔

.....☆.....

''ٹومی! کل سے کچھ نہیں کھا رہا۔'' ٹام آدھا کھانا کھا چکا تھا جب اس کی بیوی ماریہ نے اسے آگاہ کیا۔ اس کا کھانے کے لیے منہ کی طرف بڑھتا چمچہ رک گیا۔

''اوہ! خیریت تو ہے؟ کیا ہوا اُسے؟'' ٹام نے چمچہ واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں کیا ہوا؟ کل سے چپ چپ سا ہے اور کھانا بھی نہیں کھا رہا۔'' ماریہ فکرمندی سے بولی۔

''تو تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا؟'' ٹام کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''تمھیں کچھ گھر والوں کا ہوش ہو تو بتاؤں! تمھارے دفتر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے۔ اب بھلا گھر میں آفس کا کام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ماریہ نے منہ بنایا۔

''غلطی ہوگئی ماریہ! کل ایک ضروری اسائنمنٹ مکمل کرنا تھا۔ اگر تم بتا دیتیں تو میں اسے چھوڑ دیتا، آخر کچھ بھی ہو، ''بچے'' دفتر سے پہلے ہیں۔'' ٹام کے لہجے میں تشویش تھی۔

''اب ہر مرتبہ میں ہی بتاؤں گی؟ کبھی تو خود بھی اپنے اردگرد دیکھ لیا کرو۔ جب وہ کھانے کے وقت میز پر موجود نہیں تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' ماریہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سوری ماریہ! میرا ذہن الجھا ہوا تھا کل۔ کہاں ہے میرا بچہ؟'' ٹام نے فوری معذرت کی۔ اسے دلی طور پر تکلیف ہو رہی تھی کہ وہ گھر والوں پر توجہ نہیں دے پا رہا۔

ماریہ اس دوران میں اٹھ کر ٹومی کی تلاش میں چلی گئی تھی۔

.....☆.....

''کاش! اس وقت میرے بچے میرے پاس ہوتے تو مجھے یوں تڑپ تڑپ کر جان نہ دینی پڑتی۔'' اس کے ڈوبتے ہوئے ذہن میں ایک خیال دوڑا۔

اس نے حسرت بھری نگاہوں سے بہتر کے ساتھ رکھی تپائی کی طرف دیکھا، اس کی دواؤں کی بوتلیں اور گولیوں کے پتے اب بھی وہیں موجود تھے، لیکن ان تک اس کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ اس کی خدمت کے لیے رکھا گیا ملازم بھی اس وقت موجود نہ تھا، ورنہ وہی اسے دوا پلا دیتا۔

''ہر انسان کو آخر کار ایک نہ ایک دن مرنا ہی پڑتا ہے، شاید میری موت کا وقت بھی آ پہنچا ہے۔'' اس نے سوچا اور دوا پر آخری حسرت بھری نگاہ ڈالی۔

''کیسا مسیحا ہے یہ دوا بھی؟ جب تک مریض اس تک خود نہیں پہنچ جاتا یا کوئی اور اُٹھا کر اُسے مریض کے پاس نہیں لے آتا تب تک یہ مسیحائی ہی نہیں کرتی۔ کاش! کوئی ایسی دوا بھی ایجاد کی گئی ہوتی جو ایسی نازک حالت میں خود ہی مریض کے ہاتھوں اور منہ تک پہنچ جاتی۔'' اس نے اکھڑتی ہوئی سانسوں کے درمیان سوچا۔

ہر آنے والا لمحہ اس کی تکلیف میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ اب اس میں اتنی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ سوچتا کہ دوا خود اُٹھا لے۔

موت اسے آنکھوں کے بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔

اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے اور رحمت کے فرشتے کے بجائے موت کے فرشتے کا انتظار کرنے لگا۔

.....☆.....

ٹام اپنی کار ہوا کی رفتار سے اڑائے چلا جا رہا تھا، ماریہ اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کی گود میں ٹومی بھی موجود تھا۔

ٹام کی آنکھوں میں تشویش کے آثار موجود تھے اور اُس کی حرکات سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے ٹومی کا ٹمپریچر چیک کیا تھا جو نارمل نہیں تھا، اسے شدید بخار تھا اور اب ٹام خود کو کوس رہا تھا کہ اس نے دو دن تک اس کی خبر ہی نہیں لی۔

''اگر اِسے بخار کی وجہ سے کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ٹام نے ماریہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دل میں ٹومی کی محبت کئی گنا بڑھ گئی ہو، ٹومی بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں شکایت ہو، وہ تو بے زبان ہے، بے چارہ کیا بتاتا کہ طبیعت ٹھیک نہیں، اسے خود ہی اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔

''تمھیں کچھ نہیں ہوگا میرے بچے! بس ہم ڈاکٹر کے پاس پہنچنے ہی والے ہیں۔'' ٹام نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بڑے ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ یہاں کے انچارج ڈاکٹر اسمتھ سے ٹام کے اچھے تعلقات تھے اور ویسے بھی وہ یہاں کے امیر ترین طبقے میں سے تھا۔

''ڈاکٹر صاحب! میرے بچے کو چیک کیجیے، کل سے کچھ نہیں کھایا اس

نے۔'' ٹام نے گود میں لیے ہوئے کتے کے پلے کو ڈاکٹر اسمتھ کے حوالے کرتے ہوئے بدحواس لہجے میں کہا۔

''آپ اطمینان رکھیں، میں اس کا اچھی طرح چیک اپ کرتا ہوں، تشریف رکھیے۔'' ڈاکٹر اسمتھ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ جانتے تھے کہ ٹام کو ٹومی اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیارا ہے اور اس حوالے سے وہ کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر اسمتھ اپنے اسسٹنٹ کی مدد سے ٹومی کا چیک اپ کرنے میں مصروف ہوگئے تھے، جب کہ ماریہ اور ٹام ان کے آفس میں موجود تھے۔

ٹام بے چینی سے ٹہل رہا تھا، اسے ایک پل کے لیے بھی چین نہیں آرہا تھا۔

.....☆.....

''کاش! مجھے اولڈ ہاؤس ہی بھیج دیتے۔'' اس نے سوچا۔

جب اس کے بیٹے نے کہا تھا کہ وہ اسے اولڈ ہاؤس نہیں بھیجے گا تو اُس وقت اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا بیٹا اس سے بے تحاشا محبت کرتا ہے، ورنہ اس جیسے بوڑھوں کا آخری ٹھکانا تو اولڈ ہاؤس ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی راضی ہوگیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ ان کے گھر میں نہیں، بل کہ ان سے دور علاحدہ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہے گا۔

پتا نہیں کیوں اسے اولڈ ہاؤس کے نام سے ہی ڈر لگتا تھا، حالاں کہ وہ اپنے ماں باپ کو بھی اولڈ ہاؤس ہی چھوڑ کر آیا تھا۔

اس کے بیٹے نے اسے ایک علاحدہ فلیٹ کرائے پر لے کر دے دیا تھا اور ایک آدمی اس کی نگہداشت کے لیے ملازم بھی رکھ دیا تھا۔

پہلے پہل تو اُسے یہ زندگی کچھ مشکل لگی تھی، لیکن جلد ہی وہ اس کا عادی ہوگیا تھا، لیکن پھر کچھ عرصے بعد اُسے دل کا عارضہ لاحق ہوگیا اور اُس کی زندگی ایک بار پھر مشکل ہوگئی۔

اس کے بیمار ہونے کے بعد ایک دو بار تو بیٹا اس کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا، لیکن پھر اُس نے اس کے لیے ایک ڈاکٹر رکھ لیا تھا، جو وقتاً فوقتاً آکر اس کا چیک اپ کرتا اور دوا تجویز کرتا رہتا تھا۔ ظاہر ہے جب ایک ڈاکٹر چیک اپ کے لیے اور ایک ملازم ضروری نگہداشت کے لیے موجود تھا تو اُس کے بیٹے کو خود بار بار آنے کی کیا ''ضرورت'' تھی۔

اکثر اوقات وہ بیٹے کو یاد کرکے غمگین ہوجاتا تھا، کیوں کہ وہ اس کی اکلوتی اولاد تھا اور اُسے اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی، لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتا تھا کہ آخر اُس کے اور بھی کام ہیں، وہ کب تک میرے سرہانے موجود رہ سکتا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس نے اسے اولڈ ہاؤس نہیں بھیجا۔

لیکن اب اسے شدت سے خواہش ہو رہی تھی کہ وہ اس جگہ تنہا ہونے کی بجائے اولڈ ہاؤس میں ہی ہوتا تو شاید اس سے بہتر محسوس کر رہا ہوتا۔

اس نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر گھڑی پر نظر ڈالی، ملازم کے آنے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے۔ آج ڈاکٹر کو بھی چیک اپ کے لیے آنا تھا، لیکن وہ بھی ملازم کے پہنچنے کے ایک دو گھنٹے بعد ہی آتا تھا۔

اس کے دل میں شدید ترین تکلیف اٹھی اور پھر اُس کے احساسات منجمد ہوتے چلے گئے۔

.....☆.....

''ہمت رکھیں مسٹر ٹام! آپ کے کتے کو صرف معمولی سا بخار ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا وہ۔'' ڈاکٹر اسمتھ نے واپس آکر ٹام کو مطلع کیا۔

''کتا مت کہیں اسے ڈاکٹر صاحب! وہ میری اولاد ہے، بل کہ اولاد سے بھی بڑھ کر ہے۔'' ٹام کا لہجہ بالکل خشک تھا۔

''سوری مسٹر ٹام! آئندہ میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔'' ڈاکٹر اسمتھ نے فوراً معذرت کی۔

''ڈاکٹر صاحب! وہ ٹھیک تو ہوجائے گا نا!؟'' ٹام نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا مسٹر ٹام! بے فکر رہیں۔'' ڈاکٹر اسمتھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی ہمت بڑھائی۔

پھر ٹام اس وقت تک بے چینی سے ٹہلتا رہا جب تک ڈاکٹر اسمتھ کے اسسٹنٹ نے کچھ انجکشنز وغیرہ لگا کر ٹومی کو اُس کے حوالے نہیں کردیا۔

اس نے ٹومی کو بے اختیار اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر اُسے چوم کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

واپسی پر وہ خود ہی اسے گود میں لیے ہوئے تھا اور کار ماریہ چلا رہی تھی۔

وہ طرح طرح سے ٹومی سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا اور جواب میں وہ بھی ''کوں کوں'' کرکے اسے اپنی محبت کا احساس دلا رہا تھا۔

.....☆.....

روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر اُس کے ذہن میں ابھری اور پھر وہ لکیر بڑھتی ہی چلی گئی۔ چند لمحے بعد اُس کا دماغ روشنی سے بھر گیا اور اُس کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں۔ اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن کسی نے

اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھنے سے روک دیا۔

''لیٹے رہیے مسٹر مائیکل! آپ کی حالت ابھی اس قابل نہیں کہ آپ اٹھ سکیں۔'' اسے اٹھنے سے روکنے والا ڈاکٹر تھا۔

''مجھے کیا ہوا ہے ڈاکٹر!؟'' اس نے بمشکل پوچھا۔ بولتے ہوئے بھی اسے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا مسٹر مائیکل! شکر کریں کہ اٹیک اتنا شدید نہیں تھا، ورنہ آپ کا جاں بر ہونا بہت مشکل ہوتا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

اب اس نے لیٹے ہی لیٹے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو اُس پر انکشاف ہوا کہ یہ اس کے فلیٹ کا کمرا نہیں ہے، بل کہ کسی ہسپتال کا آئی۔سی۔یو روم ہے۔

''یہاں کون لایا مجھے؟ میرا بیٹا کہاں ہے؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''آپ کے ملازم نے مجھے آپ کی حالت سے مطلع کیا تھا اور ہم ہی آپ کو یہاں لائے ہیں۔ آپ کے بیٹے کو اطلاع دے دی گئی ہے، وہ آتے ہی ہوں گے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''پلیز، اسے جلدی بلائیں ڈاکٹر!'' مائیکل نے التجا کی۔

''وہ آتے ہی ہوں گے مسٹر مائیکل! ابھی آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا اور پھر اُسے ایک انجکشن لگا دیا۔

انجکشن لگتے ہی اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

.....☆.....

ٹام نے آج آفس سے چھٹی کی تھی، کیوں کہ وہ ٹومی کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ وہ خود ہی اس کا پوری طرح خیال رکھنا چاہتا تھا۔

اس کی موجودگی ٹومی کو بھی خوش کر رہی تھی اور اُس کی طبیعت سنبھلتی جا رہی تھی۔

وہ ٹومی کے گھنے سفید بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اُس نے چونک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو!'' اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ٹام سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

''میں ٹام ہی بات کر رہا ہوں، کہیے۔'' اس نے جواب دیا۔

''مسٹر ٹام! میں ڈاکٹر کلارک بول رہا ہوں، آپ کے والد کا معالج۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''یس ڈاکٹر کلارک! بولیے، میں سن رہا ہوں۔'' ٹام نے جواب دیا۔

''مسٹر ٹام! آپ جلد از جلد ہسپتال پہنچیں۔ آپ کے والد مسٹر مائیکل کی زندگی خطرے میں ہے، انھیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' دوسری طرف سے ڈاکٹر کلارک نے کہا۔

''اوہ، اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' ٹام کے لہجے میں تشویش کی جھلکیاں موجود تھیں۔

''اب وہ ہوش میں آ چکے ہیں اور پہلے سے بہتر ہیں۔'' ڈاکٹر کلارک نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کلارک! آپ ایسا کریں کہ ان کا خاص خیال رکھیں۔ میں فی الحال ہسپتال نہیں آ سکتا، کیوں کہ ٹومی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے اس کا خیال رکھنا ہے۔'' ٹام نے گود میں لیے ہوئے ٹومی پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے مسٹر ٹام! آپ کی مرضی۔ بہر حال، آپ کے والد کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے اور وہ بار بار آپ کا پوچھ بھی رہے ہیں۔'' ڈاکٹر کلارک نے کہا۔

''ڈاکٹر کلارک! ڈاکٹر آپ ہیں میں نہیں، میرے وہاں ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ علاج تو آپ کو ہی کرنا ہے اور ویسے بھی ان کی عمر اَب ۷۰ سال ہو چکی ہے تو اس عمر میں ہارٹ اٹیک نہیں ہوگا تو اَور کیا ہوگا؟'' ٹام نے خشک لہجے میں کہا اور دوسری طرف سے کوئی بات سنے بغیر ہی فون بند کر دیا۔

''میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا ٹومی! بے فکر رہو۔'' اس نے ٹومی کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''کہاں جانے کی بات ہو رہی ہے؟'' اسی وقت ماریہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ڈاکٹر کلارک کی کال تھی۔ ڈیڈی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، وہ مجھے ہسپتال بلا رہے تھے، لیکن میں نے ٹومی کی وجہ سے آفس سے چھٹی کی ہے، اس لیے اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔'' ٹام نے جواب دیا۔

''اچھا کیا آپ نے۔ ایک ملازم اور ڈاکٹر تو رکھے ہوئے ہیں آپ نے، پھر کیا ضرورت ہے جانے کی۔ خواہ مخواہ پریشان کر رہے تھے وہ۔'' ماریہ نے منہ بناتے ہوئے کہا اور ٹام نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

اسے خوشی ہو رہی تھی کہ ٹومی تھوڑا بہت ہوش یار ہو رہا تھا، اس کی

طبیعت سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔

.....☆.....

مائیکل نے ایک کراہ لی اور بیدار ہوگیا۔ وہ پہلے کی نسبت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اسی لمحے ڈاکٹر کلارک اندر داخل ہوئے اور اُس کا چیک اَپ کرنے لگے۔

''کافی بہتر ہیں اب آپ!'' ڈاکٹر کلارک نے ای۔ سی۔ جی رپورٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا بیٹا نہیں آیا اب تک؟'' مائیکل نے سوال کیا۔

''نہیں، وہ آفس سے چھٹی کے بعد ہی آسکیں گے۔'' ڈاکٹر کلارک نے اس سے نظریں چُراتے ہوئے کہا۔

''آہ! کیا وہ میرے لیے آفس سے چھٹی نہیں کر سکتا؟'' مائیکل نے آہ بھرتے ہوئے سوچا۔

''آفس کا کام ضروری ہوتا ہے، مجھے تو وہ چھٹی کے بعد بھی دیکھ سکتا ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دی اور آنکھیں بند کرلیں۔

آنکھیں بند کرتے ہی ایک منظر اُس کے دماغ کی اسکرین پر نمودار ہوگیا۔

''ڈیڈ! اس سال گرہ پر کیا گفٹ تحفہ دے رہے ہیں آپ مجھے؟'' ٹام نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس کی اکلوتی اولاد تھا، اس لیے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کی ہر فرمائش فوراً سے پیش تر پوری کردی جائے۔

''کیا لینا چاہتے ہو تم تحفے میں؟'' مائیکل نے ٹام کی منشا سمجھتے ہوئے کہا۔

''نئی فورڈ کار چاہیے مجھے اس سال گرہ پر۔'' ٹام نے جھٹ سے فرمائش کی۔

''ارے بیٹا! صرف اتنی سی بات تھی؟ تمھاری فرمائش سال گرہ کے دن ضرور پوری کروں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر فون اٹھا کر ٹام کی کار کے لیے آرڈر کرنے لگا۔ وہ اس کی کار میں کچھ اسپیشل چیزیں بھی لگوانا چاہتا تھا۔

اور پھر سال گرہ والے دن ٹام کے جاگنے سے پہلے ہی اس کی پسندیدہ کار گیراج میں پہنچ چکی تھی۔

وہ اس وقت ٹام کی سال گرہ منانے میں مصروف تھا جس وقت اولڈ ہاؤس کے منیجر کا فون آیا۔

وہ مائیکل کو بتانا چاہتا تھا کہ اس کے باپ کی حالت ٹھیک نہیں ہے، لیکن مائیکل نے اسے جھڑک دیا، کیوں کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی سال گرہ بغیر کسی مداخلت کے منانا چاہتا تھا۔

''تقریب کے بعد میں خود رابطہ کروں گا تم سے۔'' اس نے درشت لہجے میں کہا تھا اور کال کاٹ دی تھی۔

اور پھر سال گرہ کی تقریب ختم ہونے کے بعد جب اس نے رابطہ کیا تو بہت دیر ہوچکی تھی، اس کا باپ ابدی نیند سو چکا تھا۔ وہ ٹام کی سال گرہ کا مزہ کرکرا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ اپنے باپ کی آخری رسومات میں بھی شرکت نہ کر سکا تھا اور منیجر سے کہہ دیا تھا کہ وہ خود ہی اس کے باپ کی تدفین وغیرہ کا انتظام کرلے۔

''مکافاتِ عمل۔'' اس کے ذہن میں ایک لفظ گونجا اور اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

اس کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز ہوچکی تھی۔ اس کے ذہن میں اس خدشے نے پہلی بار سر اُٹھایا تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو جیسا اس کے باپ کے ساتھ ہوا تھا۔

.....☆.....

ٹومی کی طبیعت تقریباً ٹھیک ہوچکی تھی اور وہ اب پُرسکون تھا۔ ٹام نے اطمینان کی سانس لی اور بستر سیٹ کرنے لگا۔

وہ دن بھر کا تھکا ہارا تھا اور اَب آرام کرنا چاہتا تھا۔

اس نے ٹومی کو اپنے ساتھ ہی لٹایا اور آنکھیں بند کرلیں۔

ایک لمحے کے لیے اسے ڈاکٹر کلارک کی کال اور اپنے باپ کی طبیعت کا خیال آیا، لیکن اس نے سر جھٹک کر اُس خیال کو دور کردیا، کیوں کہ وہ اطمینان سے سونا چاہتا تھا۔

.....☆.....

''ڈاکٹر! کیا کہا میرے بیٹے نے؟'' اب تو آفس کی چھٹی ہوئے کافی دیر ہوچکی ہوگی۔ مائیکل نے ڈاکٹر کے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''میں معذرت خواہ ہوں مسٹر مائیکل! مسٹر ٹام نے آنے سے انکار کردیا ہے، کیوں کہ آج ان کا کتا بیمار تھا۔'' ڈاکٹر کلارک نے مائیکل کو انجکشن لگاتے ہوئے بتایا۔

یہ سن کر مائیکل کی آنکھیں پتھرا سی گئیں، اس کے دماغ میں تیز آندھیاں سی چلنے لگیں اور کانوں میں بے پناہ شور محسوس ہونے لگا۔ درد کی ایک ناقابلِ برداشت ٹیس اس کے سینے میں اٹھی، اس نے اپنا ہاتھ سینے کے بائیں جانب رکھا اور ایک طرف لڑھک گیا۔

ڈاکٹر کلارک نے جلدی سے ایک، دو انجکشن اور لگائے اور دوبارہ چیک کرنے لگے، لیکن چند لمحوں بعد مایوسی ان کے چہرے پر چھا گئی۔ اتنے میں ان کے دو اسسٹنٹ ڈاکٹر بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے استفہامی نظروں سے ڈاکٹر کلارک کی طرف دیکھا، لیکن انھوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مسٹر مائیکل کو سرد خانے میں منتقل کرا دو، میں مسٹر ٹام کو اُن کے والد کی موت کے بارے میں بتاتا ہوں۔'' ڈاکٹر کلارک نے اسسٹنٹ کو ہدایات دیں اور پھر آفس کی طرف بڑھ گئے۔

.....☆.....

فون کی گھنٹی بجی اور پھر بجتی ہی چلی گئی۔ ٹام کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں، اس نے آنکھیں ملتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا، اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے ناگواری سے موبائل کی طرف دیکھا اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

''یس۔'' اس نے صرف ایک لفظ کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

''مسٹر ٹام! میں ڈاکٹر کلارک بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے ڈاکٹر کلارک کی آواز سنائی دی اور ٹام کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں دوڑنے لگیں۔

''اب کیا مصیبت آ گئی ڈاکٹر کلارک!؟'' ٹام نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مسٹر مائیکل کا انتقال ہو گیا ہے مسٹر ٹام! میں نے سوچا کہ آپ کو اطلاع کر دوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ٹام کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تاسف کی جھلکیاں ابھریں، لیکن پھر فوراً غائب ہو گئیں۔

''یہ اطلاع دینے کا وقت ہے ڈاکٹر!؟ خواہ مخواہ میری نیند برباد کر دی۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور آپ نیند خراب ہونے کی بات کر رہے ہیں؟'' ڈاکٹر کلارک کے لہجے میں حیرت تھی۔

''والد کا انتقال ہو چکا ہے تو کیا میں انھیں زندہ کر دوں گا اس وقت کال سن کر؟ انھیں موت آنی تھی آ گئی، آپ اس کی اطلاع صبح بھی دے سکتے تھے۔'' ٹام کو اور زیادہ غصہ آ گیا۔

''مسٹر ٹام! اتنے غصے کی ضرورت نہیں، میں جانتا ہوں کہ ان کی موت کا سبب بھی آپ ہیں۔'' ڈاکٹر کلارک کو بھی غصہ آ گیا۔

''شرم آنی چاہیے آپ کو ڈاکٹر کلارک! میں نے آپ کو اپنے ڈیڈ کے علاج کے لیے رکھا تھا، ان کی موت کا الزام مجھ پر لگانے کے لیے نہیں۔'' ٹام نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا اور کال بند کر کے دوبارہ سو گیا۔

.....☆.....

مائیکل کی تدفین ہو چکی تھی۔ ٹام اس کی آخری رسومات میں شرکت نہ کر سکا تھا، سارے انتظامات ڈاکٹر کلارک ہی نے کیے تھے۔

.....☆.....

ٹومی اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا اور ٹام اس کی صحت یابی کی وجہ سے اپنے باپ کی موت کو بھول چکا تھا۔ وہ سارا دن ٹومی کے ساتھ مگن رہا، وہ آج بھی آفس نہیں گیا تھا، کیوں کہ وہ اپنا سارا وقت ٹومی کو دینا چاہتا تھا۔

.....☆.....

''ڈاکٹر! میرا بیٹا! جیک نہیں آیا؟ آپ نے بتایا تھا نا اسے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔'' ٹام نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان بہت مشکل سے کہا۔

''مسٹر ٹام! وہ بھی آپ ہی کا بیٹا ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ بیس سال پہلے اپنے والد کی وفات کے وقت آپ نے بھی یہی کیا تھا۔'' ڈاکٹر کلارک نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا اور ٹام کو یوں محسوس ہوا جیسے اس جملے نے اسے سلگتی ہوئی آگ میں جھونک دیا ہو۔ اس نے آخری ہچکی لی اور ملکِ عدم روانہ ہو گیا۔

.....☆.....

جیک کو اپنے باپ ٹام کی موت کی خبر ہو چکی تھی، لیکن وہ اُس کی آخری رسومات میں حاضر ہونے سے قاصر تھا، کیوں کہ آج اٹلی اور انگلینڈ کا فٹ بال کا فائنل تھا اور وہ فائنل کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

مائیکل کی طرح ٹام بھی اپنے بیٹے کے بغیر ہی دفن کیا جا چکا تھا۔

ترجیحات بدل چکی تھیں، لیکن مکافاتِ عمل جاری تھا۔

ذوقِ معلومات (۷۳) کا درست جواب

☆توتا

پارا گڈو

ماہم مغل۔لاہور

''میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ کھیلوں گا۔'' احسن اور فراز کرکٹ کھیل رہے تھے، جب گڈو اُن کے پاس آ کر بولا:

''جاؤ جاؤ، ہم کالے لوگوں کے ساتھ نہیں کھیلتے۔'' فراز اُس کے سانولے رنگ کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔ اس کی بات پر اُحسن بھی ہنسنے لگا۔ گڈو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ چپ چاپ وہاں سے پلٹ آیا۔

.....☆.....

''گڈو! جاؤ، یہ کھیر برابر والوں کے گھر دے آؤ۔'' اس کی امی نے کھیر کی پلیٹ اسے پکڑاتے کہا۔

پہلے اس نے منع کرنا چاہا، کیوں کہ وہ لوگ اس کے سانولے رنگ کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن پھر خاموش رہا۔

ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُحسن کی امی نے دروازہ کھولا۔

''آنٹی! امی نے یہ کھیر بھیجی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ نازیہ نے

کراہیت سے اس دس سالہ سانولے لڑکے کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر وہ اندر آئی اور پلیٹ خالی کر کے احسن کے ہاتھ باہر بھجوائی۔

''یہ لو کالو! پلیٹ لے لو اپنی۔'' وہ مذاق اڑانے کے انداز میں بولا۔ گڈو نے چپ چاپ پلیٹ پکڑی اور واپس گھر آ گیا۔

.....☆.....

''واہ! کھیر!'' احسن جلدی سے کھیر کی طرف بڑھتے بولا۔

''خبردار احسن! وہ کھیر مت کھانا۔'' اس کی امی نے تنبیہ کی۔

''لیکن کیوں؟''

''تم جانتے ہو نا یہ کھیر گڈو لے کر آیا ہے۔ مجھے تو اُس کا رنگ اور اُس کا چہرہ دیکھ کر ہی کراہیت محسوس ہوتی ہے، پھر اس کھیر کو اُس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا تھا۔'' ان کے لہجے میں نفرت تھی۔

وہ خود اور اُن کے بچے سب ہی گورے چٹے تھے، اس لیے انھیں کالے رنگ والوں کو دیکھ کر کراہیت سی محسوس ہوتی تھی۔

ان کی بات سن کر احسن بھی چپ چاپ پیچھے ہٹ گیا۔

.....☆.....

''ہاں تو بچو! آج میں آپ کو ایک حدیث مبارک اور ساتھ ہی اس کا مفہوم بھی بتاؤں گا۔'' یہ چوتھی جماعت تھی۔ اسلامیات کے استاد صاحب، طلبہ سے مخاطب تھے۔

ان کی بات سن کر سب بچے مکمل طور پر اُن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''آپ ﷺ نے فرمایا:

''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر فوقیت نہیں ہے، سوائے تقوے کے۔''

استاد صاحب کی آواز پوری جماعت میں گونج رہی تھی۔ سب بچے ان کی بات بہت غور سے سن رہے تھے۔

''جانتے ہو بچو! اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟'' انھوں نے جماعت میں موجود سب بچوں سے سوال کیا۔ سب خاموش رہے۔ اتنے میں گڈو کا ہاتھ بلند ہوا۔ سب بچوں نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

''جی گڈو! بتائیں اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟''

''سر! اس حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان یہ مطلب ہے کہ کوئی بھی گورے رنگ والا کالے رنگ والے کا مذاق نہیں اڑا سکتا اور نہ ہی کوئی عربی کسی غیر عربی کا مذاق اڑا سکتا ہے۔'' وہ لڑکا، جس کا پورے اسکول میں اس کے سانولے رنگ کی وجہ سے مذاق اڑایا جاتا تھا، اعتماد سے بولا۔ سر شاہد کی نظروں میں اس کے لیے ستائش تھی۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

''گڈو نے بالکل درست مفہوم بتایا ہے، لیکن یہ مفہوم ادھورا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عربی، یعنی وہ شخص جس کا عرب سے تعلق ہے، اسے کسی غیر عرب پر فوقیت حاصل نہیں ہے اور کسی بھی گورے کو کسی کالے پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ہاں ایک بات سے یہ لوگ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ ہے تقویٰ، یعنی جو زیادہ پرہیزگار ہو اُسے دوسرے پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

آج یہ حدیث سنانے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ آپ لوگ گڈو کا اس کے سانولے رنگ کی وجہ سے بہت مذاق اڑاتے ہیں، لیکن کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ سب کی اس حرکت سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔'' سر شاہد بہت نرمی اور پیار سے پوری جماعت کو سمجھا رہے تھے۔ سب بچوں کی آنکھوں میں شرمندگی تھی، جب کہ گڈو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے آج اپنے استاد صاحب بہت اچھے لگ رہے تھے۔

دورانیہ ختم ہونے کے بعد سب بچوں نے باری باری گڈو سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ احسن نے بھی سچے دل سے اس سے معافی مانگی تو اُس نے مسکراتے ہوئے سب کو معاف کر دیا۔

.....☆.....

''امی! میں گڈو کے گھر جا رہا ہوں۔'' احسن اپنی کتابیں اٹھائے باہر کی طرف جاتے ہوئے۔

''کیوں جا رہے ہو؟'' امی حیران ہوئیں۔

''ہم دونوں مل کر سبق یاد کیا کریں گے۔''

''اس کلوٹے کے ساتھ تمھیں زیادہ سبق یاد ہو گا؟'' وہ غصے سے بولیں۔

''امی! کسی کو اس طرح کہنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔'' آہستہ سے کہتے ہوئے اس نے کچھ باتیں اپنے استاد صاحب والی بھی دہرائیں اور گڈو کی طرف چلا آیا۔ پیچھے امی اپنے بیٹے کی باتوں پر شرمندہ سی کھڑی تھیں۔

تِل

سعد علی چھیپا۔ کراچی

تِل ایک روغنی بیج ہے۔ ایشیاء میں یہ زمانہ قدیم سے بہت ہی زیادہ غذائیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ تِل ایک ایسی غذا ہے جو گوشت کے خواص کی حامل ہے۔ یہ مختلف کھانوں کے ساتھ ساتھ مختلف مٹھائیوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں، جب کہ ان کے لڈو یا گجک بھی سردیوں میں خاصے پسند کیے جاتے ہیں۔

تِل کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ یہ سفید، کالے اور لال رنگ میں پائے جاتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں کالے اور سفید تل زیادہ مشہور ہیں۔

بظاہر چھوٹے چھوٹے یہ بیج غذائیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ تِل وٹامنز، منرلز، قدرتی تیل اور دیگر نامیاتی مرکبات، جیسے کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، فاسفورس، میگنیز، کاپر، زنک، فائبر، تھیامن، وٹامن۔بی6، فولیٹ اور پروٹین سے لبریز ہوتے ہیں۔

تِل بھی میوہ جات کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ کالے تلوں کا تیل سب سے بہتر اور اَدویات کے لیے موزوں ہوتا ہے۔

تِل کے دیگر فوائد:

☆ تل کے بیجوں میں میگنیشیم وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، جو جسم کو ہائی بلڈ پریشر جیسی بیماری سے بچاتا ہے۔ تِل کا روزانہ استعمال کرنے سے انسان کا بلڈ پریشر معتدل رہتا ہے۔

☆ تل کا تیل استعمال کرنے سے چہرہ چمک دار اور تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

☆ تِل جلد کو نرم و ملائم رکھتے ہیں۔ یہ اندرونی طور پر ہونے والی خراش کو ختم کر کے سکون پہنچاتے ہیں۔

☆ تِل بواسیر کے مرض میں بھی مفید ہیں۔

☆ خون کی کمی کو دور کرنے کے لیے کالے تِل بہترین ہیں، کیوں کہ ان میں آئرن کی وافر مقدار ہوتی ہے۔

☆ تِل میں موجود اہم معدنیات اور وٹامنز، کینسر سے بچاؤ میں اہم کردار اَدا کرتے ہیں۔

☆ تِل دل کے نظام کی کشیدگی کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆ تِل نظامِ ہاضمہ کے لیے بہترین ہیں۔ ان میں فائبر پایا جاتا ہے جو قبض سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ تِل انرجی اور میٹابولزم کو بڑھاتے ہیں۔

☆ تِل میں موجود وافر کیلشیم کے باعث ہڈیوں کے مسائل سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆ تِل کے تیل سے ورم میں کمی آتی ہے۔

☆ سیاہ تلوں کا تیل کھانا پکانے کے علاوہ دوائی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، جب کہ سفید تلوں کا تیل بالوں کی نشوونما کے کام میں لایا جاتا ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، تِل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

مہمانِ خصوصی

بیگم ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

"سنو سنو، ایک خوش خبری سنو۔ رات کو تمھارے ماموں کا فون آیا تھا۔ وہ پرسوں پاکستان آرہے ہیں۔"

"اچھا! ہائیں! ارے واہ!" خوشی سے سب کے چہرے چمک اٹھے تھے۔

اور وہ سب خوش کیوں نہ ہوتے۔ آخر ان سب کے لاڈلے، ہر دل عزیز اکلوتے ماموں تین سال بعد پاکستان آرہے تھے ان سب کے ساتھ رمضان المبارک اور عید الفطر گزارنے۔ بچے کیا، بڑوں کی خوشی بھی دیدنی تھی۔ تبسم آپی کا چھوٹا بھائی اور رازی صاحب کا سگا چچازاد بھائی زبیر جو آرہا تھا۔ ہانیہ، رانیہ، سعد اور حسنین، چاروں بہن بھائی خوشی سے اچھل پڑے تھے۔ وہ سب اپنے ماموں کے گرویدہ تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ زبیر ماموں جب بھی باہر سے آتے تحفے تحائف سے خوب لدے پھندے آتے۔

زبیر ماموں بہت اچھے ہیں، ایسے ایسے کھلونے اور ٹافیاں لاتے ہیں کہ بس سب کا دل موہ لیتے ہیں۔ چاروں بہن بھائیوں کو جب ان کی امی، تبسم آپی نے یہ بتایا کہ ان کے ماموں آرہے ہیں تو یہ سن کر سب کی عید سے پہلے ہی عید ہوگئی۔ وہ سب خوب صورت اور قیمتی تحفوں کے خواب دیکھنے لگے۔

☆

زبیر ماموں کی آمد ہوگئی تھی۔ پورا گھر خوشی کی چہکاروں سے گونج اٹھا تھا۔ زبیر ماموں ایک دو نہیں، پورے تین سوٹ کیس اپنے ہمراہ لائے تھے۔ سب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بڑے کمرے میں وہ ایک دوسرے کا حال

احوال دریافت کرنے میں مگن تھے کہ عصر کی اذانیں شروع ہوگئیں۔ تبسم آپی جلدی سے باورچی خانے کی طرف بھاگیں تو زبیر نے حیرت سے انھیں جاتے ہوئے دیکھا۔

''ماشاءاللہ! آپی نماز ادا کرنے چلی گئیں۔''

''جی نہیں، آپ کی آپی آپ کے لیے خصوصی طور پر افطاری کا اہتمام کرنے گئی ہیں۔ اتنے سالوں بعد آئے ہو تو اُن کا بس نہیں چل رہا کہ کیا کیا پکا ڈالیں۔'' تبسم آپی کے شوہر رازی صاحب بولے۔

''ہاں، وہ تو ٹھیک ہے، مگر روزہ رکھ کر اتنی گرمی میں باورچی خانے میں کام کیسے کر رہی ہیں؟''

''ارے چھوڑو سالے صاحب! یہ خواتین کے بکھیڑے ہیں، وہ ان سے نبٹنا خوب اچھی طرح جانتی ہیں۔ یہ بتاؤ، سحری میں کیا کھایا تھا، کہیں روزہ تو نہیں لگ رہا تمھیں؟''

رازی صاحب نے شرارتی انداز میں رازداری سے پوچھا۔

''الحمدللہ! بھائی! مجھے روزہ بالکل بھی نہیں لگ رہا، بل کہ بہت اچھا ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا ہے۔'' زبیر ماموں نے ہشاش بشاش لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''زبیر ماموں کو روزہ بالکل نہیں لگ رہا اور اِدھر ہمیں دیکھو، پیاس سے گلا سوکھ رہا ہے۔ بھوک بھی کافی لگ رہی ہے۔'' حسنین نے ابا اور ماموں کی باتیں سنتے ہوئے سوچا۔

''سعد، حسنین! چلیں بھئی مسجد، نماز پڑھنے۔''

''مسجد اتنی گرمی میں!؟'' رازی صاحب بدبدائے۔

''ہاں تو روزہ رکھ کر چلچلاتی دھوپ میں ہم جب بازار جا سکتے ہیں تو مسجد جانے میں کیا دشواری ہے؟'' زبیر ماموں نے بڑے دکھ سے کہا اور سر جھکا کر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

سعد اور حسنین نے رازی صاحب کی طرف دیکھا، وہ شش و پنج میں مبتلا کھڑے تھے، پھر کچھ سوچ کر زبیر ماموں کی تقلید کرتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑے۔ سعد اور حسنین بھی ان کی دیکھا دیکھی ساتھ ہو لیے۔

.....☆.....

''آپی! اب آپ آ بھی جائیں۔ دعا کا وقت نکل رہا ہے۔ رانیہ، ہانیہ بیٹا! آپ لوگ تو آجاؤ۔''

''ارے آجائیں گے وہ لوگ۔ ذرا دیکھو تو سہی، آج دسترخوان پر اَنواع و اقسام کی کتنی نعمتیں موجود ہیں۔ واہ میرے مولا! تیری شان! روزے داروں کو اِتنا کچھ کھلاتا پلاتا ہے۔ یااللہ! تبسم جیسی سگھڑ بیوی سب کو دے۔'' رازی صاحب دسترخوان پر سجی ڈھیر ساری افطاری دیکھ کر ''الحمدللہ! الحمدللہ'' کہتے ہوئے فرطِ مسرت سے جھومنے لگے، جب کہ زبیر ماموں سب سے بے نیاز چپکے چپکے دعائیں مانگنے میں مشغول تھے۔ سعد اور حسنین دسترخوان پر رکھی افطاری گننے میں مصروف تھے۔

رول، سموسے، چٹنیاں، چنا چاٹ، فروٹ چاٹ، کسٹرڈ، پاپڑ، دہی بڑے، چکن نگٹس، آلو، ہری مرچ، پالک اور مکس سبزی کے پکوڑے، واہ واہ! پکوڑوں کی تو یہاں دکان لگی ہوئی تھی۔ شربت میں لال شربت، لیموں پانی، لسی اور ڈھیر ساری پلیٹیں اور چمچے۔ اتنی ساری چیزوں کے باوجود تبسم آپی کا کام ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ باورچی خانے میں ہی مصروف تھیں۔ روزہ کھلنے کا سائرن بجنے لگا تو تبسم آپی پسینے سے شرابور، ہانپتی کانپتی دھم سے دسترخوان پر آ بیٹھیں۔

''اپنی اماں کو کھجور دو جلدی سے..... چلو سب روزہ کھولو..... تبسم! مجھے شربت پکڑاؤ..... امی! مجھے سموسا دیجیے..... میں رول کھاؤں گا..... مجھے چاٹ چاہیے..... ارے، چاٹ مسالہ کہاں گیا؟ زبیر! ذرا یہ فروٹ چاٹ پکڑانا۔''

انتہائی عجلت اور ہیڑبڑ میں روزہ کھولا گیا۔

.....☆.....

''بس بھی کرو حسنین! اتنے پکوڑے کھاؤ گے تو پیٹ پھول جائے گا، نماز ادا کرنا مشکل ہو جائے گی۔''

زبیر نے حسنین کو غپاغپ پکوڑے کھا کر غٹاغٹ پانی پیتا دیکھا تو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ سعد کی ہنسی نکل گئی، کیوں کہ رازی صاحب نے ہاتھ میں رول پکڑا ہوا تھا، جب کہ ان کے منہ میں سموسا تھا اور سامنے رکھی پلیٹ پکوڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اردگرد سے لاپروا بس کھانے میں لگے ہوئے تھے۔

مغرب کی نماز کے لیے زبیر ماموں فوراً ہی دسترخوان سے اٹھ کر اکیلے ہی مسجد چلے گئے، کیوں کہ رازی صاحب اور اُن کے بچوں نے افطاری اتنی زیادہ ٹھونس لی تھی کہ ہلنے جلنے سے بھی گئے تھے۔ زبیر ماموں مسجد سے لوٹے تو

سب کو اُوندھا پڑا دیکھ کر چونک گئے۔

زبیر ماموں نے چوں کہ بہت ہلکی پھلکی افطاری کی تھی، اس لیے وہ تر تازہ اور چاق و چوبند تھے۔ وہ آرام سے دسترخوان کے پاس بیٹھ گئے۔ دسترخوان پر اِفطاری کا انبار لگا دیکھ کر اُس کا دل اُوب گیا۔ اتنا سارا اہتمام صرف لذتِ دہن کی خاطر کیا گیا؟ افسوس صد افسوس! وہ بہت فکر مند تھے۔ گہری سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد اُن کا دماغ ایک منصوبہ ترتیب دینے لگا۔ بس اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی دیر تھی۔

.....☆.....

''بھئی تبسم! آج افطاری میں کل سے مختلف چیزیں ہونی چاہییں۔ ایسا کرو، کالے چنے، فروٹ سلاد، کھیر اور اسپگیٹی وغیرہ بنالینا اور ہاں، میں اورنج جوس پیوں گا۔''

''تبسم آپی! یہ سب کیا ہے؟ مجھے آئے ہوئے ڈیڑھ دن گزر گیا ہے اور آپ صبح سے شام تک باورچی خانے میں ہی مصروف رہتی ہیں۔''

''ہاں تو میرے بھائی! عورت کا تو کام ہی یہی ہے۔''

''جی مجھے اچھی طرح معلوم ہے، مگر کیا آپ کو نہیں پتا کہ ماہ رمضان عبادتوں کا مہینا ہے۔ میں نے تو آپ کو ڈھنگ سے نمازیں بھی ادا کرتے نہیں دیکھا۔''

''آہ! کیا کروں چھوٹے بھیا! یہاں سب کھانے کے لیے ہی روزہ رکھتے ہیں اور اِسی پر نازاں ہیں کہ ہم روزے رکھتے ہیں تو ہماری خاطر مدارات بھی خوب ہونی چاہیے۔''

''ہمم..... اب جو میں کہوں گا آپ اس پر عمل کریں گی۔'' زبیر ماموں نے آپی کے کان کھسر پھسر کی۔ وہ نہ نہ کرتی رہیں، مگر آخر مان ہی گئیں۔

.....☆.....

''تبسم! یہ کیا؟ آج افطاری میں بس پانی اور کھجور!'' رازی صاحب خالی خالی دسترخوان دیکھ کر بھنا گئے۔

سعد اور حسنین ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ رانیہ اور ہانیہ اپنے باپ اور بھائیوں کے فق چہرے دیکھ کر منہ نیچے کیے ہنسی روکنے کی حتی المقدور کوشش کر رہی تھیں۔

''جی رازی بھائی! آج سے ہم سب صرف کھجور اور پانی سے روزہ کھولیں گے۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم تھوڑا آرام کریں گے اور پھر تازہ دم ہو کر عشا کی نماز اور تراویح کے بعد کھانا کھائیں گے۔''

زبیر نے حتمی لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو رازی صاحب زچ ہو کر بولے:

''زبیر میاں! آپ اپنے لیے یہ معمول بنائیں اور شوق سے عمل کریں۔ بھئی، ہم سارا دن روزہ رکھتے ہیں، افطاری کا اہتمام ہمارا حق ہے۔ ہمارے یہاں صرف افطاری پر ہی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہم رات کے کھانے وانے کا تکلف نہیں کرتے۔ کیوں تبسم!؟''

''ارے میرے پیارے رازی بھائی! میں اتنے سالوں بعد آیا ہوں۔ مل بیٹھنے کا ایک موقع ملا ہے اور پھر اِتنا مبارک مہینا، سعادت والی گھڑیاں میں بالکل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔'' رازی صاحب بُرے بُرے منہ بنا کر سنتے رہے۔

زبیر نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی۔

''آپ لوگوں کی نمازیں بھی چھوٹ رہی ہیں۔ روزہ رکھنے کا مقصد صرف بھوکا رہنا نہیں ہوتا اور نہ ہی افطاری حلق تک ٹھونسنا۔''

رانیہ، ہانیہ کھی کھی کرنے لگیں تو رازی صاحب نے انھیں گھور کر دیکھا۔ دونوں کی ہنسی بند ہوگئی۔

''رمضان تو رحمتوں اور برکتوں کا مہینا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ آتا ہے یہ مہمان! اور ہم میزبان، مہمانِ خصوصی کا اکرام کرنے کے بجائے اپنے کھانے پینے میں مشغول ہو کر اِس معزز مہمان کو یک سر نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

زبیر کے دھیمے دھیمے لب و لہجے نے اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

''ہم سارا سال تو کھاتے پیتے ہی رہتے ہیں۔ بس ایک ماہ تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتے!؟ کھا کھا کر عبادت میں خلل آتا ہے اور ہم کسی قابل نہیں رہتے۔''

ان سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ زبیر کی بات سن کر تبسم آپی نے فرطِ جذبات میں آ کر شکر، الحمدللہ کہا اور رازی صاحب کی سمجھ میں بھی بات آ گئی۔

رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں زبیر کی صدق دل سے مانگی گئی دعا رنگ لے آئی تھی۔

شگوفے
قارئین

☆ جج (ملزم سے): ''تم نے اپنے دوست کو نوکری دلوانے کے بعد دریا میں کیوں دھکیلا؟''

ملزم: ''جج صاحب! کیا آپ نے سنا نہیں، نیکی کر دریا میں ڈال۔''

☆ ایک شخص کو کتے نے کاٹ لیا۔ وہ بھاگ کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے علاج کرنے سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

''شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میں اپنا کلینک چھے بجے بند کر دیتا ہوں۔''

مریض: ''جناب! مجھے تو معلوم ہے، لیکن اس کتے کو یہ معلوم نہ تھا۔''

(صغریٰ فیصل۔ کراچی)

☆ ایک بوڑھا شخص ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا:

''میری آنکھیں بہت کمزور ہیں، کوئی علاج تجویز کیجیے۔''

ڈاکٹر نے اس کی پرانی فائل دیکھتے ہوئے پوچھا:

''آپ کی عمر؟''

''یہی کوئی بیس سال۔'' بوڑھے شخص نے اعتماد سے کہا۔

''پھر تو آپ کو آنکھوں کی بجائے اپنی یادداشت کا علاج کروانا چاہیے، کیوں کہ آج سے پانچ سال قبل آپ نے اپنی عمر ساٹھ سال لکھوائی تھی۔''

(وقاص علی۔ کراچی)

☆ چھوٹا بھائی (بڑے بھائی سے): ''میرا ذکر اخبار میں آیا ہے۔''

بڑا بھائی: ''اچھا! کیا لکھا ہے؟''

چھوٹا بھائی: ''لکھا ہے کہ ملک کی آبادی ۱۴ کروڑ ہو گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس ۱۴ کروڑ میں ایک میں بھی ہوں۔''

(محمد اسماعیل۔ ٹھٹھہ)

☆ دو دوست خریداری کے لیے بازار گئے۔ بازار پہنچ کر ایک دوست کو یاد آیا کہ وہ بٹوا گھر بھول آیا ہے۔ اس نے اپنے دوست سے کہا:

''مجھے ایک ہزار روپے کا سامان لینا ہے، لیکن میں بٹوا گھر بھول آیا ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟''

دوست نے جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے کہا:

''کیوں نہیں، یہ لو پچاس روپے، بس میں بیٹھ کر گھر جاؤ اور بٹوا لے آؤ۔''

(خضیب اسلم۔ رحیم یار خان)

☆ ایک درزی اپنے گاہکوں کو لطیفے سنایا کرتا تھا۔ جب اس کا گاہک لطیفہ سن کر لوٹ پوٹ ہو جاتا تو وہ جلدی سے کپڑا کاٹ کر چھپا دیتا۔ ایک دن ایک گاہک آیا۔ درزی نے اسے لطیفہ سنایا اور چالاکی سے کچھ کپڑا بچا لیا۔

گاہک بولا: ''جناب! ایک لطیفہ اور سنائیں۔''

درزی نے پھر ایک اور لطیفہ سنایا اور پھر کچھ کپڑا بچا لیا۔

اب وہ گاہک پھر بولا: ''ایک لطیفہ اور سنا دیں۔''

درزی بولا: ''محترم! لطیفہ تو میں سنا دوں، مگر آپ کی قمیص چھوٹی ہو جائے گی۔''

(باقر علی۔ لودھراں)

☆ گاہک: ''میں نے آپ سے جو موٹر سائیکل لی ہے وہ رُک رُک کر چلتی ہے۔''

''دکان دار: ''جناب! آپ بھی تو موٹر سائیکل کی قیمت قسطوں میں ادا کر رہے ہیں۔''

☆ خربوزے والا چلا چلا کر خربوزے بیچ رہا تھا: ''شکر سے میٹھا خربوزہ لے لو۔''

ایک گاہک خربوزہ خریدنے کے بعد اُسے وہیں کھانے لگا۔ اگلے ہی پل وہ جھلا کر بولا: ''ارے، یہ تو بالکل پھیکا ہے۔''

خربوزے والے نے کہا: ''ارے صاحب! کہہ تو رہا ہوں، شکر سے میٹھا لگے گا، شکر تو ڈالو۔''

(اسد علی بیگ۔ لاہور)

دعا اور دوا

صائمہ نور۔ کراچی

''چاند نظر آ گیا!
رمضان کا چاند نظر آ گیا!''

سات سالہ عبدالواسع پُرجوش انداز میں شور مچاتا پورے برآمدے میں گھوم رہا تھا۔

''عبدالواسع بیٹا! آپ بہت خوش ہو، لیکن یوں گھوم گھوم کر چکر لگانے سے آپ گر بھی سکتے ہو۔''

اس کی والدہ نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے روکنے کی کوشش کی۔

''امی! میں بہت خوش ہوں۔''

وہ وہاں موجود ایک سوفے پر بیٹھتے ہوئے والدہ سے مخاطب ہوا۔

''بیٹا! رمضان وہ مبارک مہینا ہے جس کا انتظار ہر مسلمان کرتا ہے۔ اس مہینے کی بہت ساری برکات اور فضیلتیں ہیں۔ اس مہینے میں اگر ہم روزے کے احترام میں فضول اور بے کار کاموں اور باتوں سے بچیں رہیں تو یہ بھی عبادت شمار ہوتی ہے، یہاں تک کے جب ہم روزے کی حالت میں سوتے ہیں تو اس میں بھی ہمارے لیے ثواب ہوتا ہے۔''

عبدالواسع کی والدہ نے پیار سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

''امی! میں بھی پورے روزے رکھوں گا۔'' اس نے اپنی پوری بانہیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ضرور رکھنا۔ چلو، اب سب سے پہلے ہم نماز اور تراویح کی تیاری کرتے ہیں، پھر سحری کا انتظام کریں گے۔''

''ٹھیک ہے امی!''

.....☆.....

کل جمعے کا دن تھا اور پہلا روزہ بھی۔

عبدالواسع کے ساتھ ساتھ اس کے باقی دو بھائیوں نے بھی روزہ رکھا تھا جو بالترتیب نو اور گیارہ سال کے تھے۔

وہ تینوں بھائی فجر کے بعد سونے کے لیے لیٹے تو جلدی ہی جاگ گئے تھے اور پھر کھیلنے چلے گئے تھے۔

امی نے کہا بھی کہ آرام کرو، یوں کرکٹ کھیلنے سے روزہ لگ جائے گا، لیکن وہ بولے کہ ہم بہت بور ہو رہے ہیں۔ کیا کریں گھر میں رہ کر؟''

اور امی ان کا جواب سُن کر خاموش ہو گئیں۔

''چلو، تھوڑی دیر کھیل کر آؤ، پھر جمعے کی نماز اَدا کر کے قرآن پاک کی تلاوت بھی کرنا۔''

''ٹھیک ہے امی!''

.....☆.....

کافی دیر بعد جب وہ کھیل کر لوٹے تو جمعے نماز کا وقت قریب تھا۔

امی نے انھیں غسل کرنے کو کہا اور خود بھی نماز کی تیاری کرنے لگیں۔

نماز اَدا کر کے امی نے ان سے کہا:

''بیٹا! جمعے کے دن تو ویسے ہی بہت سارے فضائل ہیں، اور آپ لوگ جانتے ہو کہ جمعے کو عام دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ فضیلت رمضان میں اور بڑھ جاتی ہے۔''

وہ تینوں بھائی غور سے سن رہے تھے۔

''امی! کیا رمضان میں ہر دعا قبول ہوتی ہے؟''

عبدالواسع نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''ہاں بیٹا! دعا تو ویسے بھی ضرور قبول ہوتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ دعا دل سے کی جائے۔'' نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا۔'' عبدالواسع کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دعا مانگنے میں مشغول ہو چکا تھا۔

وہ دل ہی دل میں کوئی دعا بہت توجہ سے مانگ رہا تھا، پھر کچھ دیر بعد اُس کی دعا سب کو سنائی دینے لگی۔

والدہ اور اُس کے بھائی اس کی دعا سن کر حیران رہ گئے۔

عبدالرافع اور عبدالہادی اسے ٹوکنے ہی والے تھے کہ امی نے انھیں روک دیا۔

''مانگنے دو۔'' امی نے اس کا انہماک دیکھ کر نہایت آہستگی سے کہا۔

.....☆.....

شام کو اِفطاری سے کچھ دیر قبل عبدالواسع نے امی سے کہا: ''امی میرے لیے بہت سارے رول بنائیے گا۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے، لیکن ابھی افطار میں دو گھنٹے باقی ہیں۔ آپ پورا دن کھیلتے بھی رہے ہو تو کیوں نا اب کچھ دیر پڑھائی بھی کر لی جائے۔

''نہیں امی! پڑھائی بہت بور کام ہے۔''

عبدالواسع نے منہ بنا کر کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! لیکن بور کام بھی ہمیں اپنے فائدے کے لیے کر لینے چاہیے نا!؟''

امی نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''ٹھیک ہے، میں بستہ لاتا ہوں۔''

وہ اپنا اسکول کا بستہ لایا تو والدہ نے اسے اردو کی کتاب نکالنے کو کہا۔

اسے بُرا تو بہت لگا، لیکن اس نے کتاب نکال لی۔

''چلو بیٹا! بلند خوانی کرتے ہیں۔''

''جی امی!''

چلو شروع کرو۔''

اس نے والدہ کو ایسے دیکھا جیسے کڑوی دوا کھانی ہو۔

ویسے تو وہ پڑھائی میں بہت اچھا تھا، لیکن لاک ڈاؤن کے سبب اس کی پڑھائی بُری طرح متاثر ہوئی تھی۔

وہ مسلسل اسکول بند ہونے کی وجہ سے پڑھائی میں تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا۔

انگریزی تو وہ پڑھ لیتا تھا، لیکن اردو اُسے مشکل لگتی تھی، اسی لیے وہ اردو پڑھنے میں ہچکچاتا تھا۔

اس نے بہت مشکل سے بلند خوانی شروع کی۔ وہ بار بار اٹکتا۔

''بیٹا! حروف کو غور سے دیکھو، آدھی اشکال یاد کرو، پھر اُن کی آواز ذہن میں لاؤ، اس طرح پڑھنے میں آسانی ہوگی۔

کوئی لفظ بڑا ہے تو اُسے توڑ کر ادا کرو۔''

''جی امی!''

وہ کوشش کرنے لگا۔

''لیکن امی! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ رمضان میں اور ویسے بھی دل سے مانگی گئی ہر دعا قبول ہوتی ہے؟''

ہاں تو، اس میں غلط تو کچھ نہیں۔'' امی نے کہا۔

''تو امی! میں نے تو دن میں اتنے سچے دل سے دعا کی تھی کہ مجھے پڑھنا آجائے، لیکن مجھے تو پڑھنا نہیں آیا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب فرفر پڑھ سکوں گا۔''

امی نے دن میں اس کی دعا سن لی تھی۔ وہ مسکرائیں:

''بیٹا! دعا کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔ دعا مناسب وقت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ضرور قبول ہوتی ہے، لیکن دعا کے ساتھ ساتھ دوا کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر تم خود سے پڑھنے کی کوشش اور محنت نہیں کرو گے تو صرف دعا سے کبھی اس قابل نہیں ہو سکتے کہ تم کچھ سیکھ لو۔

بیٹا! ہمارا کام ہے کوشش کرنا اور پھر دعا کرنا، کوشش اور محنت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں اور پھر اُس کی ہر دعا قبول کرتے ہیں، لیکن بغیر کسی عمل کے خالی دعا پر بھروسا کرنے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔''

عبدالواسع کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ اتنے دن سے دعا مانگ رہا کہ اسے پڑھنا آجائے، لیکن وہ پھر بھی نہیں سیکھ پا رہا تھا، کیوں کہ وہ کوشش ہی نہیں کر رہا تھا۔

''امی! اب میری سمجھ میں آگیا ہے، اب میں دعا کے ساتھ ساتھ محنت بھی کروں گا، ان شاء اللہ!''

''شاباش بیٹا! یہ ہوئی نا بات!

چلو، اب افطاری کا وقت قریب ہو گیا ہے، میں باورچی خانے میں جا رہی ہوں۔ تم اب خود پڑھنے کی کوشش کرو۔''

''جی امی!'' عبدالواسع اب دل جمعی سے پڑھنے لگا۔

ہمیں انصاف چاہیے

فاتح کون ۲

۹

نذیر انبالوی۔ لاہور

''ہاں، میں بھی یہاں ہوں۔ تم لوگ ناکام ہو کر خود واپس آئے ہو یا لائے گئے ہو؟'' قید خانے میں پہلے سے موجود جھوٹ نے بے ایمانی اور غصے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہمیں دھوکا یہاں لایا ہے، ہم اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔'' غصے نے غصیلے انداز میں کہا۔

''کیا ہماری خدمات کا یہی صلہ ہے کہ ہمیں قید خانے میں ڈال جائے؟ میں نے ایمان داری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے، ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ذرا سی ناکامی ہوئی اور دھوکے کے ذریعے قید خانے میں ڈال دیا گیا؟ میں چیخوں گی، چلاؤں گی، شور مچا کر آسمان سر پر اُٹھا لوں گی، انصاف ملنے تک میں شور برپا کروں گی۔'' بے ایمانی بولتی چلی گئی۔

اس کی بات سن کر جھوٹ نے کہا:

''میں بھی تم دونوں کا ساتھ دوں گا۔ میں ایک طویل عرصے سے قید خانے میں ہوں۔ سچ جیت گیا تو کیا ہوا؟ مقابلہ تو ہوتا رہتا ہے۔ ملکہ بدی تو بس یہی چاہتی ہے کہ قدم قدم پر اُسے کام یابی ملے، ایسا بھلا کب ہوتا ہے؟''

غصہ بار بار قید خانے کی دیواروں کو ٹھوکریں مار کر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

''کوئی ہے جو ہماری فریاد سنے؟ کوئی ہے؟'' بے ایمانی نے شور مچایا۔

قید خانے کے دروازے پر موجود بدکلامی نے انھیں گھورا، برا بھلا کہا اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں خاموش نہیں رہوں گی۔ میں نے انسانوں کو اپنے دام میں پھانسنے کی بہت کوشش کی تھی، کہیں کام یابی ہوئی اور کہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہم سے جو ہو سکتا تھا میں نے اور غصے نے کیا۔ ہمیں اس قید خانے سے نکالا جائے، ورنہ.....''

''ورنہ کیا کرو گی؟'' بدکلامی نے بے ایمانی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''ورنہ میں ملکہ بدی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کروں گی، اب مزید اُس کی اطاعت نہیں کر سکوں گی۔'' بے ایمانی کا لہجہ باغیانہ تھا۔

اس کی بات سن کر جھوٹ اور

غصے نے بھی اُسے دیکھا، دونوں خاموش تھے۔ وہ بے ایمانی سے اس جرأت کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ ملکہ بدی کے خلاف کبھی کسی برائی نے اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔ بدکلامی نے انھیں تو کچھ نہیں کہا، لیکن وہ اسی وقت ملکہ بدی کے دربار میں جا پہنچی۔ ملکہ بدی اُس وقت اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس کے سامنے ناشکری، ملاوٹ، نافرمانی، حرام اور نفرت ہاتھ باندھے موجود تھے۔ ملکہ بدی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ ملکہ نیکی کی دنیا میں بھیجی ہوئی نیکیوں کا

مقابلہ کرنے کے لیے کس بُرائی کو بھیجا جائے۔ بدکلامی کو دیکھ کر ملکہ بدی نے پوچھا:

''کہاں سے آرہی ہو؟''

''میں وہاں سے آرہی ہوں جہاں آپ کے خلاف بغاوت کا جال بُنا جارہا ہے۔'' بدکلامی بولی۔

''کون ہے وہ بدبخت جو ہمارے خلاف بغاوت کا جال بُن رہا ہے؟'' ملکہ بدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

''وہ کوئی اور نہیں، بے ایمانی ہے، قید خانے میں اُس نے شور مچا رکھا ہے۔ بے ایمانی کو لگام دیجیے، ورنہ وہ نہ جانے کیا کر گزرے۔'' بدکلامی نے کہا۔

''وہ کچھ نہیں کرسکتی، اسے اب قید خانے میں ہی رہنا پڑے گا۔ کارگردگی صفر اور شور مفت کا! غصہ کس حال میں ہے؟'' ملکہ بدی تخت سے اُتر کر بدکلامی کے پاس آگئی۔

''غصہ بھی غصے میں ہے، وہ بھی بے ایمانی کا ساتھ دے گا اور ہاں، جھوٹ بھی اس کا ہاتھ پکڑے گا۔ سب بدبخت، نافرمان ہیں، احسان فراموش ہیں، آپ جیسی ملکہ انھیں کہاں ملے گی۔'' بدکلامی نے ملکہ بدی کو مکھن لگایا۔

''یہ تمھاری سعادت مندی ہے، اب بدکلامی انسانوں پر حملہ کرے گی، نیکی نگر کے باسیوں کو مشکل میں ڈالے گی۔ اپنے ساتھ ان میں سے کس کو لے کر جانا چاہو گی؟'' ملکہ بدی نے ایک طرف کھڑی بُرائیوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

بدکلامی نے ایک نظر بُرائیوں پر ڈالی، پھر وہ نفرت کو دیکھ کر بولی:

''میں اپنے ساتھ نفرت کو لے کر جانا چاہوں گی، جہاں نفرت ہو وہیں بدکلامی بھی ہوگی۔''

''جاؤ، دیر مت کرو۔'' ملکہ بدی بولی۔

''وہ بے ایمانی.....''

''میں اُسے خود دیکھ لوں گی، تم نفرت کا ہاتھ پکڑو اور فوراً یہاں سے جاؤ، میں خود قید خانے میں جارہی ہوں۔'' ملکہ بدی کے فیصلے پر وہاں موجود ہر بُرائی حیران تھی۔

بدکلامی نے نفرت کا ہاتھ پکڑا اور ملکہ بدی کے دربار سے چلی گئی۔

''تم سب میرے ساتھ چلو، ذرا بے ایمانی غصے اور جھوٹ کی تو خبر لیں۔''

پھر ملکہ بدی، ناشکری، ملاوٹ اور حرام کو لے کر قید خانے کی طرف چل پڑی۔ قید خانے سے کچھ فاصلے پر دھوکا موجود تھا۔ اس نے ملکہ بدی کا استقبال کیا۔

''آپ اور یہاں!؟'' دھوکا حیرت میں گم تھا۔

''بے ایمانی کا شور کیا تمھارے کانوں کو تک نہیں پہنچ رہا؟'' ملکہ بدی نے دھوکے کو گھورا۔

''جی، پہنچ رہا ہوں، لیکن میں کیا کرسکتا ہوں۔ میں انھیں قید خانے تک لے آیا ہوں۔ آپ حکم کیجیے، ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟'' دھوکا نہایت ادب سے بولا۔

''تم دھوکے ہو کر بھی پوچھ رہے ہو کہ تمھیں کیا کرنا ہے!؟ میری رعایا کو نہ جانے کیا ہوتا جارہا ہے! دل تو کرتا ہے کہ سب کو قید خانے میں ڈال کر اکیلی ملکہ نیکی اور اُس کی رعایا کا مقابلہ کروں۔'' یہ کہتے ہوئے ملکہ بدی قید خانے میں داخل ہوچکی تھی۔ بے ایمانی، ملکہ بدی کو دیکھ کر چلائی:

''انصاف..... انصاف کیا جائے، ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ قید خانے میں ڈالنا کہاں کا انصاف ہے! ہم سب نے اپنے اپنے طور پر خوب محنت کی ہے، ہمیں کام یابی بھی ملی ہے، مگر.....''

''مگر تم سب آخر میں ناکام لوٹے ہو، تم سب ملکہ نیکی کی رعایا کا مقابلہ نہیں کر پائے۔ شکست خوردہ ہو کر لوٹنے والوں کا ٹھکانا قید خانہ ہی ہوتا ہے۔ زیادہ شور مچایا تو سزا زیادہ ہوگی، خاموشی اختیار کرو۔'' ملکہ بدی کے تیور دیکھ کر بے ایمانی کو ایک لمحے کے لیے خوف سا محسوس ہوا، مگر اُس نے خوف پر قابو پاتے ہوئے ملکہ بدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

''میں ان دیواروں سے نکل جاؤں گی۔ ہمیں انصاف دے دیں، ورنہ ہم خود اِنصاف لے لیں گے۔'' بے ایمانی نے بے خوف اور نڈر ہو کر ملکہ بدی کو جواب دیا۔

ملکہ بدی نے دھوکے کی طرف دیکھا، پھر جھوٹ اور غصے پر نگاہ ڈالی۔

''ملکہ بدی! ہم سب انصاف کے طلب گار ہیں، ہمیں صرف ایک موقع اور دیجیے، ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے، صرف ایک موقع۔'' جھوٹ نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

''میں اس بارے میں سوچوں گی، ابھی تو میں بدکلامی اور نفرت کو بھیج چکی ہوں، ان کے آنے تک انتظار کرو۔ بے ایمانی! تم اپنے حواس قابو میں رکھو، ہمیں غصہ آگیا تو تمھیں بدی پورہ میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ میں تم سب کو

موقع دوں گی اور جب تم کام یاب ہو کر واپس آؤ گے تو انعامات سے نوازوں گی۔'' یہ کہہ کر ملکہ بدی قید خانے سے باہر چلی گئی۔ دھوکا، ناشکری، حرام اور نافرمانی بھی اس کے ہم راہ تھے۔

.....☆.....

نیکی نگر میں ہر طرف خوشیوں کا ڈیرا تھا۔ ملکہ نیکی کی خوشی دیدنی تھی۔ ایمان داری نے اپنی کام یابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا۔ ملکہ نیکی دربار میں موجود تھی کہ سچائی نے آ کر بدکلامی اور نفرت کے بارے میں بتایا۔ ملکہ نیکی نے کچھ سوچ کر کہا:

''گھبرانے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہم ہر بُرائی کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو بدکلامی اور نفرت کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا، خوش کلامی اور محبت خود کو اس مقابلے کے لیے تیار رکھیں۔''

''ہم دونوں تیار ہیں۔'' خوش کلامی نے محبت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔

''اس سے پہلے کہ بدکلامی اور نفرت اپنی کارروائی کا آغاز کریں، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے جاؤ۔ میں تمھاری کام یابی کے لیے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ قدم قدم پر تمھاری مدد کرے، اللہ تعالیٰ تم دونوں کا حامی و ناصر ہو۔'' ملکہ نیکی کی ان دعاؤں میں خوش کلامی اور محبت رخصت ہو گئیں۔

.....☆.....

بدکلامی اور نفرت اس وقت ایک بازار میں موجود تھیں۔ رمضان المبارک کے باعث بازار میں معمول سے زیادہ بھیڑ تھی۔ بدکلامی اور نفرت ایک دکان کے باہر کھڑی تھیں۔ ایک خاتون ہاتھ میں شاپنگ بیگ لیے دکان میں داخل ہوئیں۔

''جی باجی! کیا چاہیے؟'' دکان دار اسلم نے خاتون کو مخاطب کیا۔

''بھائی صاحب! میں کل یہ سوٹ لے کر گئی تھی، اس کی سلائی ٹھیک نہیں ہے، براہِ مہربانی، سوٹ بدل دیجیے۔'' خاتون نے یہ کہتے ہوئے شاپنگ بیگ اسلم کی طرف بڑھایا۔ اسلم نے سوٹ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا، پھر وہ نہایت بدکلامی کے انداز میں بولا:

''بی بی! یہ سوٹ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ سیل کے سوٹوں کی واپسی یا تبدیلی نہیں ہوتی۔''

''بھائی صاحب! اس کی سلائی ابھی سے اُدھڑ رہی ہے، جب اسے پہنا جائے گا تو پھر کیا ہوگا؟'' خاتون بولی۔

''جو بھی ہوگا میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں۔ سیل میں اسی طرح کے سوٹ ہوتے ہیں، آپ کو سوٹ دیکھ کر لے کر جانا چاہیے تھا۔ میں سوٹ تبدیل نہیں کروں گا۔'' اسلم کا لہجہ دیکھ کر بدکلامی اور نفرت دکان میں داخل ہو گئیں۔

اسلم نے خاتون سے کہا:

''جاؤبی بی! سوٹ تبدیل نہیں ہوگا۔''

''بھائی صاحب.....!''

''بس.....بس! بی بی! بہت ہوگیا، اب جاؤ یہاں سے، میری دکان داری خراب مت کرو۔'' اسلم کا لہجہ خراب سے خراب تر ہوتا جارہا تھا۔ بدکلامی نے موقع پاکر اسلم کے کان میں کہا:

''ایسی عورتیں خود نہیں آتیں، بھیجی جاتی ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' اسلم نے بدکلامی کی طرف دیکھا۔

''اس بازار میں سلے سلائے کپڑوں کی بہت سی دکانیں ہیں، تمھارا کاروبار خوب ہے، ہر وقت دکان میں گاہک موجود ہوتا ہے، یہ بات دوسرے کان داروں کو بھلا کب ہضم ہوتی ہے! کسی دشمن نے تمھاری دکان داری کو خراب کرنے کے لیے ہی اس خاتون کو یہاں بھیجا ہے۔ اب خود دیکھ لو، وہ خاتون دوسری خواتین کو سوٹ دکھا دکھا کر ہمدردیاں حاصل کررہی ہے، خود دیکھ اور سن لو۔''

بدکلامی نے اسلم پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

اسلم نے نگاہ ڈالی تو خاتون دوسری خواتین سے باتیں کررہی تھی۔ ان میں سے ایک خاتون بولی:

''بھائی صاحب! کیا اس طرح دکان داری ہوتی ہے؟''

''بی بی! تم کون ہو؟ تمھارا اس خاتون سے کیا تعلق ہے؟ میں سوٹ واپس کروں یا نہ کروں، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ جاؤ بی بی! جاؤ، سوٹ تبدیل نہیں ہوگا۔'' اسلم نے بدکلامی کی انتہا کردی۔

''بھائی صاحب! یہ لب ولہجہ اپناؤ گے تو دکان داری خراب ہوجائے گی۔ ہوش کے ناخن لو، کیا اس طرح دکان داری کی جاتی ہے؟'' ایک اور خاتون نے اسلم کو مخاطب کیا۔

''میں تو اسی طرح دکان داری کرتا ہوں، میں سوٹ واپس نہیں کروں گا۔'' اسلم اس وقت مکمل طور پر بدکلامی کی گرفت میں تھا۔

(اسلم نے سوٹ واپس کیا یا نہیں؟
یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

یہ کل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کردیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۰ اپریل تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

❶ یہ جزیرہ نما ملک برِّ اعظم جنوبی ایشیا میں (بحرِ ہند کے اندر) واقع ہے۔ یہ پانچ صوبوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے، جس کا مجموعی رقبہ 65,610 مربع کلومیٹر ہے۔

❷ یہاں 69 فی صد لوگ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، 15 فی صد ہندو، 8 فی صد مسلمان اور بقیہ 8 فی صد لوگ مختلف مذہبی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ یہاں کا طرزِ حکومت سوشلسٹ جمہوریت ہے اور یہاں کی سرکاری زبان ''سہنالی'' کہلاتی ہے۔

❸ گالے، کینڈی اور شری جے وردھن پورا اس ملک کے مشہور شہروں کے نام ہیں۔

❹ اس ملک کی بلند ترین پہاڑی چوٹی کا نام ''پدروگالا'' ہے، جس کی اُونچائی 8,269 فٹ ہے۔ مہاویلی، گنگا کیلانی اور کالو، اس ملک کے مشہور دریاؤں کے نام ہیں۔

❺ اس ملک کے شمال میں بھارت، مشرق میں خلیج بنگال اور مغرب اور جنوب میں بحرِ ہند ہے۔

ابوغازی محمد۔ کراچی

نعیم الدین نعیم۔ کراچی

روزے دارو!

رمضان کا مہینا آیا ہے روزہ دارو!
چھوٹے نہ کوئی روزہ اللہ نبی کے پیارو!

رمضان کا مہینا رحمت کا ہے مہینا
برکت کا ہے خزینہ ، بخشش کا ہے سفینہ
اللہ کی راہ میں مرنا ، اللہ کی راہ میں جینا
اللہ کی یاد میں ہی ہر پل سدا گزارو

قرآن کی بہاریں ایمان پر اُبھاریں
قرآن سے ہم اپنے اعمال کو سنواریں
دل جاں اپنا واریں ، تقویٰ کو بھی نکھاریں
سر سے گناہ کا اپنے سب بوجھ تم اتارو

تقسیم برکتوں کی سوغات ہورہی ہے
ہر آن رحمتوں کی برسات ہورہی ہے
اللہ کی عبادت دن رات ہورہی ہے
اللہ کی رضا کے طالب امیدوارو!

بخشش کا دیکھو رب نے سامان کردیا ہے
رمضان میں جو نازل قرآن کردیا ہے
بندوں پر اپنے گویا احسان کردیا ہے
اس کی کرو عبادت ، اس کو ہی بس پکارو

ہر دن ہے عید ، ہر شب ہی لیلۃ القدر ہے
پا جائے جو بھی اس کو ، وہ شخص معتبر ہے
مایوسیوں میں بے شک امید کی سحر ہے
ہر دن نعیمؔ ، ہر شب ہی اس طرح گزارو

رمضان کا مہینا آیا ہے روزہ دارو!
چھوٹے نہ کوئی روزہ اللہ نبی کے پیارو!

تاریخی جھلکیاں

پہرے دار

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک کھلی جگہ تھی، وہاں نماز عید ادا کی جاتی تھی، یعنی وہ جگہ مدینہ منورہ کی عیدگاہ تھی۔ آج کل اس جگہ ''مسجد غمامہ'' ہے۔

کبھی کبھار باہر سے کوئی قافلہ آتا تو اسی جگہ پڑاؤ ڈالتا اور رات یہیں قیام کرتا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ۱۳ھ سے ۲۳ھ کا ہے۔)، تاجروں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اس قافلے میں کئی لوگ تھے۔ عورتیں اور بچے بھی قافلے میں شامل تھے۔ سورج غروب ہونے پر اسی عیدگاہ میں پڑاؤ ڈالا اور قیام کا ارادہ کیا۔

چوں کہ تجارتی کا قافلہ تھا، اس لیے ان کے پاس قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دینار و درہم بھی خوب تھے۔ (دینار، سونے کے سکے کو کہتے ہیں، اور درہم، چاندی کے سکے کو۔ اس زمانے کے ایک دینار کا وزن آج کل کے حساب سے تقریباً 4.25 گرام سونا بنتا ہے اور ایک درہم کا وزن تقریباً 2.975 گرام چاندی بنتا ہے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے، اس لیے انھیں اس قافلے کی فکر دامن گیر ہونے لگی، پھر مزید یہ کہ قافلے میں عورتیں اور بچے بھی تھے، سونا چاندی بھی تھا ان کے پاس۔ چناں چہ امیر المومنین نے اس کے قافلے کی پہرے داری کو ضرور سمجھا، لیکن سورج ڈھل چکا تھا۔ رات کا اندھیرا چھا چکا تھا اور کوئی پہرے دار میسر نہیں تھا۔ امیر المومنین نے اپنے ساتھی اور دوست حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اگر آپ تیار ہوں تو آج رات ہم اس قافلے کی پہرے داری کریں؟'' وہ فوراً تیار ہو گئے۔

سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا ان لوگوں کا! دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی دونوں کا شمار اُن دس خوش نصیبوں میں ہوتا ہے، جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں جنت کی خوش خبری سنائی تھی۔

مزید یہ کہ ایک امیر المومنین تھے، بائیس لاکھ مربع میل پر جن کی حکومت تھی، لیکن وہ صرف قول سے نہیں، بل کہ عمل سے قوم کے خادم تھے، اور دوسرے صاحب، مدینہ منورہ کے مال دار ترین لوگوں میں سے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور صحبت کا اثر تھا کہ یہ حضرات تواضع اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔

چناں چہ دونوں رات بھر اس قافلے کا پہرا دیتے رہے، تاہم باری باری دونوں نماز میں مشغول ہوتے رہے۔ ایک پہرا دیتے تو دوسرے نوافل پڑھنے لگتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور بھی کئی واقعات ایسے ہیں کہ رات کو پہرے کے لیے کھڑے ہوئے تو موقع دیکھ کر وقت کو قیمتی بناتے ہوئے نوافل میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوران پہرے میں ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ کافی دیر سے وہ رو رہا تھا۔ کافی دیر تک آپ سنتے رہے، پھر اس کی ماں کو جا کر کہا:

''اللہ کی بندی! اللہ سے ڈرو، اپنے بچے کا خیال رکھو!'' یہ کہہ کر دوبارہ پہرے کی جگہ آ کر کھڑے ہو گئے، پھر مسلسل اس بچے کے رونے کی آواز آنے لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ اس عورت کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے یہی کہا کہ اپنے بچے کا خیال رکھے۔

اس عورت نے اس بار بھی خاموشی سے ان کی بات سن لی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

رات کا اکثر حصہ گزر چکا تھا۔ صبح ہونے کے قریب تھی۔ اب تک اس بچے کی آواز بند نہیں ہوئی تھی۔ اب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے تو اُس سے فرمایا:

''اے اللہ کی بندی! تُم عجیب عورت ہو، تم کتنی ظالم ماں ہو! ساری رات تمھارا بچہ تڑپتا رہا اور تمھیں کچھ فکر ہی نہیں!''

اب اس عورت سے رہا نہ گیا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ پہرے دار جو بار بار اُس کے پاس آ رہا ہے، وقت کا خلیفہ، ملت کا امام اور امیر المومنین ہے، چناں چہ اس نے تنگ آ کر کہا:

''او اللہ کے بندے! تم نے بھی رات بھر مجھے بہت تنگ کیا ہے، یہ میری مجبوری ہے۔ میں اس بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں، لیکن یہ دودھ چھوڑتا ہی نہیں ہے، اس لیے یہ رو رہا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیوں اس کا دودھ چھڑا رہی ہو؟''

اس نے کہا: ''کیا کروں؟ عمر صرف ان بچوں کے لیے وظیفہ اور خرچہ دیتا ہے جن کا دودھ چھڑایا جا چکا ہو۔''

اسلامی خلافت میں، بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں مسلمان بچوں، عورتوں اور معذوروں کے لیے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دودھ پینے والے بچے کے لیے وظیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا، بل کہ دودھ چھوڑنے پر اُسے سرکاری بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اچھا، اس کی عمر کتنی عمر ہے؟''

عورت نے کہا: ''چند مہینے کا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

''بہن! جلدی مت کرو۔''

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ اس عورت کو اُن کی بات سمجھ میں بھی نہیں آ سکی، کیوں کہ وہ انھیں جانتی ہی نہیں تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کے ایک جملے نے پوری اسلامی ریاست اور عظیم الشان سلطنت کا ایک قانون بدل ڈالا ہے!

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا آنسو تھمتے نہیں تھے اور رونا بند نہیں ہوتا تھا۔ بار بار یوں کہتے جاتے تھے:

یا ہؤسا لعمر! کم قتل من اولاد المسلمین!

(عمر! تُو کتنا بُرا انسان ہے، کتنے ہی مسلمانوں کے معصوم بچوں کو تُو نے قتل کر ڈالا!)

فجر کی نماز پڑھانے مصلے پر کھڑے ہوئے تو اتنا زیادہ رو رہے تھے کہ قراءت کی آواز ہی نہیں سنی جا رہی تھی۔

صبح ہوتے ہی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مدینہ منورہ کے تمام محلوں اور بستیوں میں یہ اعلان کرا دیا جائے کہ

''اپنے بچوں کو دودھ چھڑانے میں جلدی مت کرو، ہر مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے بچے کے لیے پیدا ہوتے ہی سرکاری وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے!''

اس کے بعد یہ فیصلہ تحریر کر کے سرکاری مہر کے ساتھ اسلامی خلافت کے تمام علاقوں میں روانہ کر دیا گیا کہ

انا نفرض لکل مولود وُلد فی الاسلام

(جو بچہ بھی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوگا اس کے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے سرکاری وظیفہ مقرر کر دیا جائے!

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۱۷

المختار، ص: ۳۰)

فرض شناس ڈاکٹرنی

مہر سلطانہ صدیقی۔ کراچی

ایک ہرے بھرے جنگل میں ڈاکٹر بکری کا کلینک تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ جلدی جلدی اپنے مریضوں کو دیکھ رہی تھیں، کیوں کہ آج انھیں اپنی دوست لومڑی کے گھر دعوت میں جانا تھا اور سب مہمانوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وقت کی پابندی کی جائے، اسی لیے ڈاکٹر بکری جلدی جلدی اپنے مریضوں کو فارغ کر رہی تھیں۔

بھالو کمپاؤنڈر جلدی جلدی دوا بنا بنا کر مریضوں کو دے رہا تھا، جب کہ بلی نرس انجکشن لگانے میں مصروف تھی۔

ڈاکٹر بکری مریض دیکھ دیکھ کر کافی تھک چکی تھیں اور دعوت میں جانے کا وقت بھی بس ہونے والا تھا، چناں چہ ڈاکٹر بکری نے کہا کہ باہر کا دروازہ بند کر دو، تاکہ کوئی اور مریض نہ آئے۔

ڈاکٹر بکری اپنے تمام مریضوں کو فارغ کر کے کلینک سے نکلنے ہی والی تھیں کہ انھیں باہر سے شور شرابے اور چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔

ڈاکٹر صاحبہ پریشان ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئیں تو دیکھا، ایک چوزہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا:

''نہیں، نہیں، مجھے ڈاکٹر صاحبہ کے پاس جانے دو۔ میری امی بہت بیمار ہیں۔'' اور بھالو کمپاؤنڈر اُسے روک کر خوب ڈانٹ رہا تھا کہ ''اب ڈاکٹر صاحبہ کوئی مریض نہیں دیکھیں گی۔''

جب ڈاکٹر صاحبہ نے دیکھا کہ ایک چوزہ اتنا پریشان ہو رہا ہے تو اُنھوں نے بھالو سے کہا:

''اسے اندر آنے دو۔''

چوزہ کمرے کے اندر آیا اور چھلانگ لگا کر ڈاکٹر صاحبہ کی میز پر چڑھ کر روتے ہوئے بولا:

''ڈاکٹر صاحبہ! میری امی بہت بیمار ہیں۔ وہ بہت دیر سے بے ہوش ہیں۔''

یہ سن کر ڈاکٹر صاحبہ نے کہا:

''ارے، یہ تو بہت بُرا ہوا۔ چلو، مجھے اپنے گھر لے چلو۔

ڈاکٹر بکری نے اپنا بیگ اُٹھایا، بھالو کمپاؤنڈر اور نرس بلی کو کلینک بند کرنے کی ہدایت دی اور خود چوزے کے ساتھ چل پڑیں۔ چوزے نے بتایا کہ اس کا گھر جنگل کے آخری سرے پر ہے۔ جب ڈاکٹر بکری جنگل کے آخری سرے پر پہنچیں تو وہاں ایک جھونپڑی نظر آئی۔

وہ چوزے کے ساتھ اندر گئیں تو دیکھا، دروازے کے ساتھ ہی ایک پرانے سے پلنگ پر ایک مرغی تھی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اسے چیک کیا تو اُسے شدید بخار تھا۔ ڈاکٹر بکری نے اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں اور انجکشن لگایا۔ تھوڑی دیر میں مرغی کو ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ڈاکٹر صاحبہ کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگی:

''ڈاکٹر صاحبہ! میرا شوہر مرغا کارخانے میں کام کرتا تھا، لیکن پچھلے سال اس کا انتقال ہو گیا، اس لیے میں اب جنگل کے جانوروں کے کام کر کے اپنا گزارا کرتی ہوں۔ میں بہت جلد آپ کی فیس ادا کر دوں گی۔''

ڈاکٹر بکری نے کہا: ''نہیں، کوئی بات نہیں۔ ایک دوسرے کے کام آنا نیکی ہے۔ ابھی تو میں آپ کو ایک دن کی دوا دے دیتی ہوں۔ کل آپ چوزے کو کلینک بھیج کر اور دوا منگوا لیجیے گا۔

ڈاکٹر بکری نے وہاں سے نکل کر گھڑی دیکھی تو دعوت میں جانے کا وقت تقریباً ختم ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی وہ بہت تیزی سے اپنی دوست کے گھر پہنچیں۔ سب مہمان موجود تھے اور کھانا شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر بکری کو دیکھتے ہی سب نے دیر سے آنے پر بُرا بھلا کہا۔

ان کی بات سن کر ڈاکٹر بکری بولیں:

''آپ لوگ میرے وقت پر نہ پہنچنے پر مجھے بُرا بھلا کہہ کر رہے ہیں۔ میں آپ سب کو تاخیر کی وجہ بتاتی ہوں، پھر آپ لوگ خود فیصلہ کریں کہ میں نے صحیح کیا یا غلط!؟''

پھر ڈاکٹر بکری نے ننھے چوزے اور مجبور مرغی کی داستان سنائی تو سبھی نے کہا:

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ نے بالکل ٹھیک کیا، کیوں کہ کسی کی جان بچانا اور ہمدردی کرنا دعوت میں وقت پر پہنچنے سے زیادہ اہم ہے، اس لیے اب ہم سب آپ کی فرض شناسی کو سلام کرتے ہیں۔''

ہنسی مزاح اور خوش طبعی

بلال خالد۔ کراچی

''قاسم! کیا ہوا؟ یوں اداس کیوں بیٹھے ہو؟'' بارہ سالہ احمد نے اسکول کے باغیچے میں ایک جانب اداس بیٹھے قاسم سے پوچھا۔

''کیا میں اچھا لڑکا نہیں ہوں؟'' قاسم نے اترے چہرے کے ساتھ احمد سے پوچھا۔

''ارے! کس نے کہا کہ تم اچھے لڑکے نہیں ہو؟ تم بہت اچھے ہو قاسم!'' احمد نے جواب دیا۔

''پھر مجھ سے کوئی دوستی کیوں نہیں کرتا؟ سب لڑکے مجھ سے دور دُور کیوں رہتے ہیں؟'' قاسم نے جیسے اپنی اداسی کی وجہ بتاتے ہوئے پوچھا۔

''ہمم..... تو یہ بات ہے۔ تمھیں پتا ہے جب انسان حد سے زیادہ سنجیدہ رہے اور ہر وقت سنجیدگی کو اپنے اوپر سوار رکھے تو لوگ اسے کیا سمجھتے ہیں؟''

''کیا سمجھتے ہیں؟'' قاسم نے استفسار کیا۔

''ایسے شخص کو لوگ مغرور، بدمزاج اور نک چڑھا سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اس سے دور ہی رہتے ہیں۔''

''تو کیا میں مغرور ہوں؟'' قاسم نے جیسے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں، ہرگز نہیں! بس کچھ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو اور ہنسی مزاح سے دور رہتے ہو۔''

''مگر میں نے تو کسی سے سنا تھا کہ ہمارے نبی ﷺ نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔'' قاسم نے گویا احمد سے اشکال کیا۔

''بالکل منع فرمایا ہے، لیکن ہر وقت یا اکثر اوقات ہنسنے سے منع فرمایا ہے اور وہ بھی زیادہ ہنسنے سے، اس لیے کہ زیادہ یا ہر وقت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا سبب بنتا ہے، البتہ اعتدال کے پہلو کو ملحوظ خاطر رکھ کر کسی کی دل آزاری اور مذاق اڑانے کے علاوہ مزاح اور خوش طبعی کی ہمارے اسلام نے نہ صرف اجازت دی ہے، بل کہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔'' احمد نے قاسم کے اشکال کا مفصل جواب دیا۔

''کیا ہمارے نبی ﷺ بھی مزاح کیا کرتے تھے؟'' قاسم نے مزید سوال کیا۔

''ہاں بالکل، ہمارے نبی امام الانبیاء اور اُمت کی اصلاح و نجات کی فکر و غم میں مستغرق ہونے کے باوجود اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہنسی مزاح اور خوش طبعی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہا: یارسول اللہ! دعا کریں، اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''جنت میں بوڑھے نہیں جائیں گے۔'' وہ عورت روتے ہوئے واپس جانے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اسے بتا دو، جنت میں بڑھاپے کی حالت میں نہیں جائے گی۔'' (بل کہ جوان ہو کر جنت میں جائے گی۔)'' احمد نے قاسم کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

''سبحان اللہ! میں آج تک یہی سمجھتا رہا کہ انسان کو ہمیشہ سنجیدہ اور ہنسی مزاح سے دور رہنا چاہیے، مگر یقیناً میں غلط فہمی کا شکار تھا۔'' قاسم نے اپنی خامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

دیکھو قاسم! یاد رکھو، میانہ روی اپناتے ہوئے ہنسی مزاح اور خوش طبعی جہاں ایک مباح اور مستحب عمل ہے وہیں یہ چیز انسان کی طبیعت کے بوجھل پن کو دُور کرنے کا سبب بھی ہے۔ انسان کی ذہنی تھکاوٹ کو دُور کرنے کا باعث اور روح میں تر و تازگی اور چستی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

خوش طبع، نرم مزاج اور ہنس مکھ انسان لوگوں میں بہت مقبول اور محبوب ہوتا ہے۔ لوگ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اس سے دوستی میں پہل کرتے ہیں، اس لیے ہر وقت سنجیدہ رہنے کے بجائے چہرے پر مسکراہٹ اور بشاشت لانا سیکھو، دوسروں کے ساتھ خوش مزاجی اور خندہ پیشانی سے پیش آؤ، پھر دیکھنا کس طرح ہر کوئی تمھیں بھی اپنا دوست بنانا پسند کرے گا۔"

قاسم جو بہت انہماک سے احمد کی گفتگو سن رہا تھا، اس کا بجھا اور اُداس چہرہ خوشی اور اطمینان کے ملے جلے آثار سے چمکنے لگا اور اُس نے احمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے بڑی گرم جوشی سے گلے لگالیا۔

الصّلوٰۃ خیر من النوم

بنتِ محمد رفیق۔ کراچی

اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر

فجر کی اذان فضا میں بلند ہوئی تو عبدالہادی کی آنکھ کھل گئی۔

حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الصلوٰۃ خیر من النوم.....

مؤذن صاحب اب اختتامی کلمات ادا کر رہے تھے۔

جیسے ہی عبدالہادی کے کان سے الصلوٰۃ خیر من النوم کی آواز ٹکرائی، وہ سوچ میں پڑ گیا۔

عبدالہادی گھر میں سب سے چھوٹا اور سب کا بہت ہی لاڈلا تھا۔ سب کا لاڈ پیار ایک جگہ اور تربیت اپنی جگہ تھی۔ فرائض کے معاملے میں تو اماں بابا کسی کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ عبدالہادی ابھی سات، آٹھ برس کا ہی ہوا تھا، لیکن نماز کے پابندی کے حوالے سے اس پر کافی توجہ دی جارہی تھی۔ باقی گھر والے الحمدللہ نماز کے پہلے سے ہی پابند تھے۔ فجر کے لیے پھر بھی اماں سب کو اُٹھاتی تھیں، کیوں کہ بچے نیند میں مدہوش ہوتے تھے اور اُنھیں نماز کے وقت اٹھنا مشکل لگتا تھا۔

دو تین دن سے جلدی سونے کے باعث امی کے ایک آواز دینے پر ہی عبدالہادی اٹھ جاتا اور اُذان بھی سن پاتا، جب کہ باقی دونوں بہن بھائی جب تک اٹھتے اذانیں ختم ہو چکی ہوتی تھیں۔

.....☆.....

آج بابا آئیں گے تو میں ان سے یہ بات ضرور پوچھوں گا ان شاء اللہ! روز بھول جاتا ہوں۔" عبدالہادی اپنا ہوم ورک کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہوا تو پاس بیٹھی اریبہ نے تجسس سے پوچھا:

"کیا پوچھو گے؟"

"وہ تو میں پوچھنے کے بعد ہی سب کو بتاؤں گا۔" عبدالہادی نے جواب دیا۔

شام کو جیسے ہی اس کے بابا گھر میں داخل ہوئے عبدالہادی نے جلدی سے بابا کو پانی پلایا۔

بابا نے پانی پی کر عبدالہادی کو گلاس پکڑایا۔

تبھی عبدالہادی نے اپنا سوال کر ڈالا:

"بابا! آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

اس بات کے لیے وہ کب سے پریشان تھا۔

"ہاں بیٹا! کیوں نہیں، ضرور پوچھو۔" بابا نے جواب دیا۔

عبدالہادی نے کہنا شروع کیا:

"بابا! فجر کی اذان میں مؤذن صاحب الصلوٰۃ خیر من النوم کیوں پڑھتے ہیں؟ اس کا کیا مطلب ہے؟"

بابا، عبدالہادی کے سوال پر چونک گئے اور دل میں سوچنے لگے کہ ماشاء اللہ تعالیٰ! ان کے بیٹے نے کتنا اچھا سوال کیا ہے۔

وہ عبدالہادی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے: "بیٹا! الصلوٰۃ خیر من النوم کا مطلب ہے کہ نماز نیند سے بہتر ہے۔ جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو اُس وقت سب سو رہے ہوتے ہیں، اس لیے مؤذن صاحب فجر کے وقت، اذان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز نیند سے بہتر ہے، تاکہ لوگ بیدار ہو کر نماز کے لیے آجائیں۔"

عبدالہادی، بابا کی بات بہت غور سے سن رہا تھا۔

پوری بات سن کر عبدالہادی نے بابا جان کا شکریہ ادا کیا اور بابا کے کمرے سے تیزی سے باہر آیا۔ وہ اریبہ اور عبداللہ بھیا کو بھی جلدی سے یہ بات بتانا چاہتا تھا، تاکہ وہ بھی صبح کی نماز کے لیے اٹھتے ہوئے سستی نہ کریں۔

اپریل فول

محمد مبشر عطاری۔ شیخوپورہ

"ہمم..... کل یکم اپریل ہے، یعنی پاگل بنانے کا دن۔" خرگوش میاں نے

جنتری کو بغور گھورتے ہوئے خود کلامی کی۔

''بھلا وہ بھی کیسے مسلمان ہیں جو اس بُرے تہوار کو مناتے ہیں، کیوں کہ اسلام نے تو جھوٹ بولنے اور دھوکا دہی سے منع کیا ہے۔'' خرگوش میاں مسلسل سوچ رہے تھے۔ ''آخر اس کا حل کیا ہوسکتا ہے؟'' انھوں نے خود سے سوال کیا۔

''ایسا کرتا ہوں، چچا ہاتھی سے پوچھتا ہوں، یقیناً وہ اس کا معقول جواب دیں گے۔'' خرگوش میاں نے کہا اور پھر چچا ہاتھی کے گھر جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

''السلام علیکم، چچا! کیسے ہیں آپ؟'' خرگوش میاں نے چچا ہاتھی کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھل جانے پر اُن سے مخاطب ہوئے۔

''وعلیکم السلام! اندر آجاؤ خرگوش میاں!'' چچا ہاتھی نے خوشی سے کہا اور خرگوش میاں اُن کے گھر میں داخل ہوگئے۔

''کہو، کیسے آنا ہوا؟'' چچا ہاتھی نے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی۔

''چچا! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کل یکم اپریل ہے، یعنی اپریل فول۔'' خرگوش میاں نے بات شروع کی۔ ''تو میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا کوئی حل نکالیں کہ جنگل پور میں کوئی بھی یہ گناہوں بھرا تہوار نہ منائے۔'' خرگوش میاں نے وضاحت کی۔

''خرگوش میاں! آپ کی سوچ تو بہت عمدہ ہے، ان شاء اللہ! ہم اس مقصد میں کام یاب ہوجائیں گے۔'' چچا ہاتھی نے خرگوش میاں کو شاباشی دی۔

''تو اَب ہم کیا کریں گے؟'' خرگوش میاں نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہم ایسا کرتے ہیں کہ جنگل میں آج رات ایک اجلاس منعقد کرلیتے ہیں، جس کا عنوان ہوگا: ''اپریل فول، ایک غلط عمل۔''

''مجھے یقین ہے کہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔'' چچا ہاتھی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے چچا! میں سب کو اِس اجلاس کے بارے میں اطلاع دے دوں گا۔'' خرگوش میاں نے کہا اور چچا ہاتھی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جانے کی اجازت چاہی۔

سب کو اِطلاع پہنچ چکی تھی اور رات بھی جلد ہی ہونے والی تھی۔ کچھ دیر بعد اجلاس کا آغاز ہوگیا اور چچا ہاتھی اسٹیج پر آگئے:

''جیسا کہ عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم ''اپریل فول'' کے بارے میں بات کریں گے۔'' چچا ہاتھی نے تقریر شروع کی۔ ''اپریل فول دراصل ایک گھناؤنی سازش تھی جو عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں کے ساتھ کی تھی۔ جب عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو وہاں موجود مسلمانوں کا بے تحاشا خون بہایا اور خوب قتل و غارت کی، لیکن پھر بھی انھیں محسوس ہوا کہ کچھ مسلمان ابھی ان کے ملک میں موجود ہیں تو اُنھوں نے دھوکا دہی سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا کہ ''وہ مسلمانوں کے لیے ایک علاحدہ ریاست بنا رہے ہیں، لہٰذا تمام مسلمان وہاں چلے جائیں اور مذہبی آزادی کے ساتھ اپنی زندگیاں گزاریں، لیکن پھر حسبِ منصوبہ جب بقیہ تمام مسلمان ہجرت کے لیے بحری جہاز میں سوار ہوئے تو اُنھیں سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ اس دن یکم اپریل تھا، اور پھر یہ دن اپریل فول کے نام سے مشہور ہوگیا۔'' چچا ہاتھی نے بات مکمل کی۔

''واقعی! یہ تو ایک تلخ حقیقت ہے، ہم سب اِسے منانے کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔'' تمام جانوروں نے بآواز بلند کہا اور یوں چچا ہاتھی اور خرگوش میاں کی کوشش سے جنگل پور اس قبیح تہوار کو منانے سے بچ گیا۔

سوال آدھا، جواب آدھا ۲۹ کے درست جوابات

1. دو۔
2. تین (حضرت سیّدنا قاسم اور حضرت سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما (جن کے دو لقب تھے طیب اور طاہر) اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تولد ہوئے تھے، جب کہ حضرت سیّدنا ابراہیم، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں بیٹے کمسنی میں وفات پاگئے تھے)۔
3. تقریباً ساڑھے تیرہ سال۔
4. یکم اکتوبر 3015 قبل مسیح سے۔
5. شوکت علی۔
6. سکندر اعظم۔
7. 2، مارچ 1992ء۔
8. الخالد (نوٹ: اس ٹینک کا نام حضرت خالد بن ولید کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔)
9. مخمس
10. طعنے دینا۔

وہ کون تھا؟

شاہد اقبال۔ گوجرانوالہ

مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میں تیزی سے بھاگ رہا تھا اور..... پھر گلی سے نکلا تو ایک تیز رفتار موٹر سائیکل سے بُری طرح ٹکرایا اور..... پھر چند لمحوں میں ہی میں ہوش سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ سر پر لگنے والی چوٹ ہی شاید ایسی تھی کہ میں فوری طور پر بے ہوش ہو گیا تھا۔

نہ جانے میں کتنے گھنٹے بے ہوش رہا۔ اتنا یاد رہا کہ وہ صبح صبح کا وقت تھا اور ہوش میں آنے تک رات کے نو بج رہے تھے، گویا دس بارہ گھنٹے تو ضرور ہی گزر رہے ہوں گے۔

ہوش میں آنے پر مجھے علم ہوا کہ سر اور بازو پر زخم آئے تھے۔ میرے والدین ہسپتال میں موجود تھے۔

انھیں کس نے خبر دی؟ میں ہسپتال کیسے پہنچا؟ میرے ساتھ کیسے یہ حادثہ ہوا؟ ان سوالوں کے جوابات جاننے کے لیے میں بے قرار تھا۔

''ابو جان! یہ..... یہ..... سب کیسے ہو گیا؟ مجھے ہسپتال کون لایا؟ کوئی خطرے والی بات تو نہیں؟ میں..... ٹھیک تو ہو جاؤں گا نا!؟''

''ارے میری جان! گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ تمھارے سر پر گہری چوٹ آئی ہے، اس لیے اپنے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو، یہ تمھارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ وہ تو شکر کرو کہ ہسپتال پہنچانے والے نے بڑی نیکی کی، ورنہ تمھیں تو کوئی ہاتھ نہیں لگا رہا تھا کہ یہ پولیس کیس تھا۔ موٹر سائیکل والا تو بھاگ گیا تھا۔ اپنی ذمے داری اور اثر و رسوخ استعمال کر کے اُس نے تمھیں فوراً ہسپتال پہنچایا اور اُس

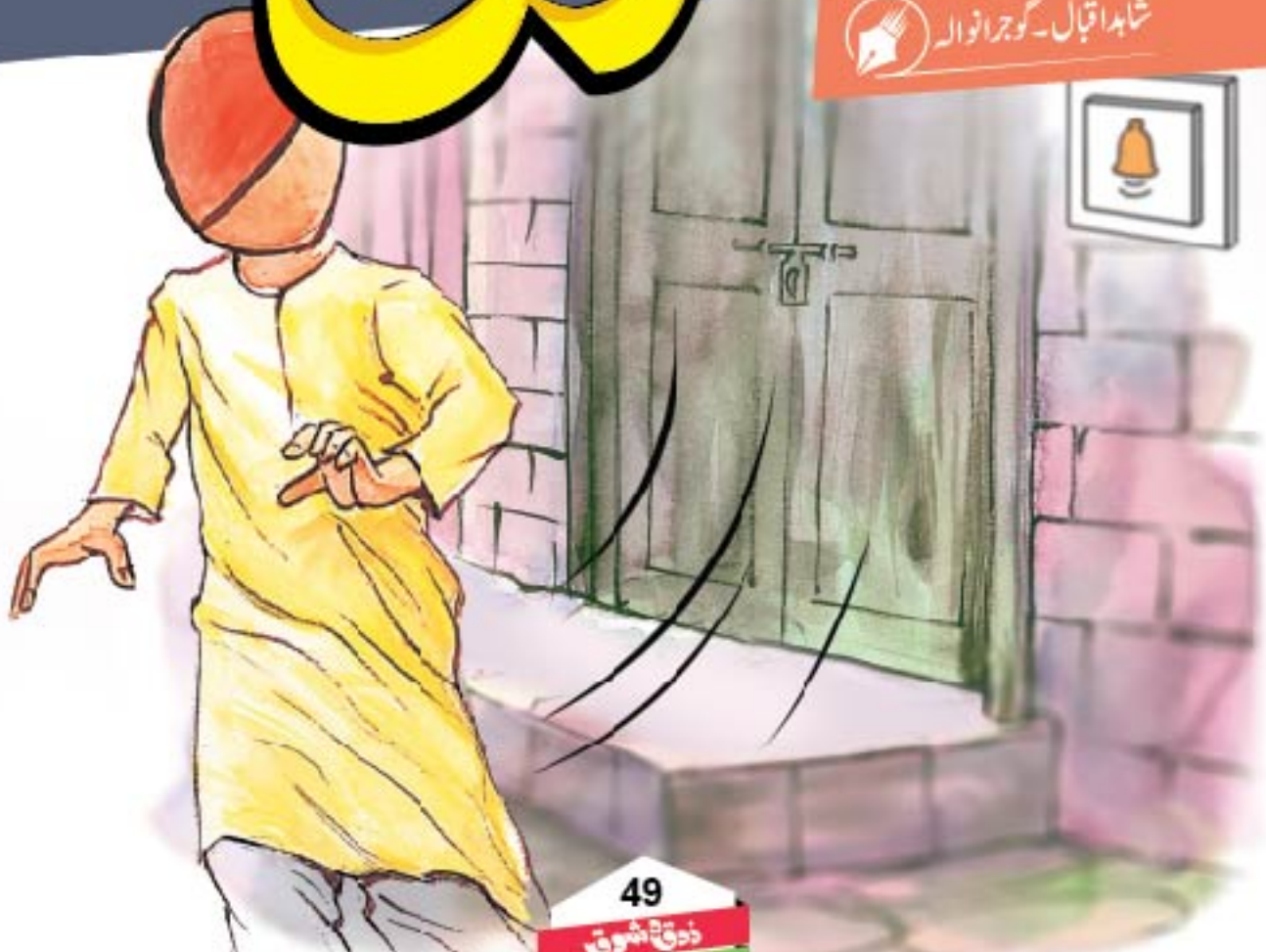

نے خون کا بندوبست بھی کیا، کیوں کہ تمھارا کافی خون بہہ چکا تھا۔'' ابو جان نے تفصیل سنائی تو میں دم بخود رہ گیا۔

''وہ نیک آدمی کون تھا؟ مم..... میں خود اُس کا شکریہ ادا کروں گا۔ کہاں ہے وہ؟''

''وہ کون تھا؟ یہ معمّا ہے، میں خود بھی لاعلم ہوں۔ ہسپتال کا عملہ بھی بے خبر ہے۔ اگر کوئی جانتا ہے تو وہ بتانے سے قاصر ہے کہ اُس شخص نے منع کر رکھا ہے۔ کیوں؟ یہ وہ جانتا ہے یا ہمارا رب! تم آرام کرو، فی الوقت تمھارے لیے یہی بہتر ہے۔''

امی جان نے بھی میرے ماتھے پر بوسا دیا، کچھ پڑھ کر پھونکا اور بولیں:

''دیکھو میرے لعل! ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ تمھیں کسی بڑے حادثے سے محفوظ رکھا۔ جسم کی سب ہڈیاں محفوظ ہیں۔ چند دنوں تک بھلے چنگے ہو جاؤ گے، بس آپ آرام کرو۔ ڈاکٹر صاحب نے سختی سے آرام کرنے کو کہا ہے۔''

اِسی دوران میں مجھے ایک انجکشن دیا گیا۔ آہستہ آہستہ میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور میں نیند کی آغوش میں گرتا چلا گیا۔

ارے، میں نے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں! چلیے، میں اپنے بارے میں سب کچھ بتاتا ہوں۔

پندرہ سال میری عمر ہے۔ سالِ اوّل کا طالب علم ہوں۔ میری حرکتیں جان کر شاید آپ مجھ پر غصہ ہوں۔ ہر قسم کی شرارت میری گھٹی میں پڑی ہے۔ محلے میں کون ہے جو مجھے جانتا نہ ہو۔ چار دوستوں کا گروپ ہے۔ اس گروپ کا لیڈر..... جی ہاں، مابدولت کے علاوہ کون ہو سکتا ہے، حالاں کہ ہم اچھے خاصے باشعور ہو چکے ہیں، مگر شیطان ہر گھڑی ہمیں بہکائے رکھتا ہے۔

محلے میں ہر کوئی ہم سے تنگ تھا، مگر ہم دوستوں کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی ہمیں موقع پر پہچان نہ لے، ورنہ..... ظاہری بات ہے کہ گھر والے خبر گیری کرتے اور..... ہم پٹائی سے ذرا دور ہی رہنا چاہتے تھے۔ مخصوص قسم کے ماسک ہر وقت ہماری جیب میں ہوتے۔ موقعۂ واردات پر ہم ماسک استعمال کر کے صاف نکل جاتے۔

ایک مرتبہ محلے کے میاں جی گرمیوں کی رات کو گلی میں چارپائی پر سو رہے

تھے۔ رگِ شرارت نے انگڑائی لی اور ہم نے گہری نیند میں ڈوبے میاں جی کو انتہائی خاموشی اور آرام سے چارپائی سمیت اُٹھایا اور قریبی نالے میں چارپائی سمیت رکھ آئے۔ نالے کی گہرائی تین چار فٹ تو رہی ہوگی۔ یہ کام رات گئے کیا گیا، تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ صبح کے وقت جب میاں جی نیند سے جاگے تو خود کو نالے کے اندر دیکھ کر بے حد سٹپٹائے۔ وہ کھری کھری اور بے نقط سنائیں کہ ہم منہ دبا کر ہنسی روک سکے، ورنہ بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اسی طرح چپکے سے کسی کی بھینس کے بچے کی رسی کھول دیتے تو وہ سارا دودھ پی جاتا اور بھینس کا مالک نامعلوم ''مجرموں'' کو جی بھر کے کوستا۔

سب سے زیادہ ہماری شرارتوں کا نشانہ پروفیسر خاقانی بنتے۔ بوڑھے آدمی تھے۔ ساٹھ ستر سال کی عمر تو یقیناً رہی ہوگی۔ مقامی کالج میں پڑھاتے تھے۔ اپنے گھر میں اکیلے ہی رہتے تھے۔ دو بچے دوسرے شہر میں اپنے بیوی بچوں سمیت رہتے تھے۔ انھیں صبح صبح تنگ کرنا ہماری اولین کوشش ہوتی تھی۔ دروازے کی گھنٹی بجا کر بھاگ جاتے، بے چارے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازہ کھولنے آتے، لیکن تب تک یہ شیطانی ٹولی یہ جا، وہ جا ہو چکی ہوتی۔

کبھی کبھی ہمدرد بن کر خود ہی آ کر اُن کا حال دریافت کرتے تو بے چارے اپنی ''دُکھ بھری'' داستان سناتے اور ہم اُن کے ساتھ مل کر اُن ''نامعلوم افراد'' کو خوب بُرا بھلا کہتے۔

''ایک نہ ایک دن تو پتا چل ہی جائے گا۔ بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی!'' وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہتے اور ہم اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی راہ لیتے۔

اب آپ سے کیا چھپانا! یہ حادثہ بھی میری شرارت کے ''انعام'' میں ملا تھا۔ اُس روز میرے سب دوست محلے سے غائب تھے، لیکن میں بھلا پروفیسر خاقانی کو تنگ کیے بغیر کیسے رہ سکتا تھا؟ فجر کی نماز کے بعد اکا دُکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ میں نے دروازے کی گھنٹی پر دباؤ ڈالا اور ڈالتا ہی چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ پروفیسر صاحب کو خوب تنگ کر کے بھاگ لوں گا، مگر ہائے رے میری قسمت! پروفیسر صاحب پہلے سے ہی میری تاک میں اپنے گھر سے نکل کر میرے استقبال کے لیے ایک جگہ چھپ گئے تھے کہ آج تو چور کو پکڑ کر ہی دم لیں گے۔ اس وقت میں نے ماسک بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔

جیسے ہی میں بھاگنے کے لیے مڑا، سامنے ہی پروفیسر صاحب دونوں ہاتھ پہلو سے ٹکائے مجھے گھورتے نظر آئے۔ میری تو سٹی گم ہو گئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی دوران میں گلیوں میں بھاگتا ہوا جب میں بڑی سڑک پر آیا تو ایک تیز رفتار موٹر سائیکل سے ٹکرا گیا اور اب ہسپتال میں موجود تھا۔ اُس کی لاٹھی چل چکی تھی جو دلوں کے بھید جانتا ہے، جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ جب بندے کو اُس کی کرنی کا پھل دینے پر آتا ہے تو بھلا اُسے کون روک سکتا ہے؟

چند دن تک میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب سے میں نے دوستی کر لی تھی۔ میرے بے حد اصرار پر اُنھوں نے میرے محسن کا نام بتایا تو کئی لمحوں تک میں کچھ نہ بول سکا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرا محسن وہ ہوگا! اب آپ بھی بے چین ہوں گے کہ وہ ہستی کون تھی جس نے مجھے اپنے حسنِ اخلاق سے موم کر دیا اتنی جلدی بھی کیا ہے! میں انھی کے ہاں جا رہا ہوں، آپ بھی مل لیجیے گا، آیئے میرے ساتھ.....

میری پہلی ہی گھنٹی پر وہ دروازے تک چلے آئے تھے۔ میں آگے بڑھ کر اُن کے قدموں سے لپٹ گیا۔

''مجھے معاف کر دیجیے پروفیسر صاحب! میں نے آپ کو بہت تنگ کیا، تکلیف دی، مگر آپ نے مجھے پہچان کر بھی نیکی کی اور میری جان بچائی۔ آپ..... آپ عظیم ہیں۔ مم..... مجھے معاف کر دیجیے۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔''

پروفیسر خاقانی نے نرمی سے مجھے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور شفیق انداز میں بولے:

''بیٹا! آخر تمھیں پتا چل ہی گیا۔ خیر میں نے تمھیں اسی وقت معاف کر دیا تھا جب تمھارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ میں نے یہ بات اس لیے چھپائی کہ تم شرمندہ ہوتے اور میرے خیال میں پوشیدہ نیکی کا بدلہ زیادہ ملتا ہے، پر تم نے مجھے ڈھونڈ ہی نکالا، لیکن اب تم ایسی شرارتوں سے توبہ کر لو کہ اُس رب تعالیٰ کے ہاں توبہ کے دروازے ہر دم کھلے ہیں۔'' یہ کہتے کہتے پروفیسر صاحب کی آواز بھرّا گئی۔

''بہت بہت شکریہ! آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ میرے دوست بھی اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو جائیں گے، ان شاء اللہ!''

''ان شاء اللہ!'' پروفیسر صاحب نے بھی جواباً کہا۔

اور مجھے یوں لگا جیسے ایک گہری طمانیت میری روح میں اُتر آئی ہو۔

آئیے اب ژوب چلیں

1889ء میں انگریزوں نے پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے شمال مشرق میں واقع پہاڑوں کے درمیان ایک فوجی چھاؤنی قائم کی اور اپنے ایک ہم وطن پولیٹیکل ایجنٹ ''لارڈ اسڈیمن'' سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''فورٹ اسڈیمن'' رکھا۔ یہ چھاؤنی قدرتی حد بندی کی وجہ سے ایک مضبوط قلعہ تھی، کیوں کہ اس کی فصیلوں کا کام دیواریں نہیں، بل کہ اس کے اردگرد کھڑے پہاڑ انجام دے رہے تھے۔ اس چھاؤنی کے قیام کا اصل مقصد انگریز فوج کو آزاد قبائل سے محفوظ رکھنا تھا، کیوں کہ ''شمالی مغربی سرحدی صوبہ'' (موجودہ صوبہ خیبر پختون خواہ) کے قبائل کی طرح بلوچستان کے قبائل بھی انگریزوں کے جانی دشمن تھے۔ چوں کہ قبائل فطرتاً آزادی پسند واقع ہوئے تھے اور ایک اجنبی قوم کی اپنے علاقے میں حکمرانی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی، لہٰذا جب اور جہاں موقع ملتا وہ انگریزوں پر حملہ کر کے انھیں جانی اور مالی نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے انگریزوں نے ''فورٹ اسڈیمن'' میں فوجی چھاؤنی قائم کی۔

قیامِ پاکستان سے قبل یہاں مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی رہائش پذیر تھے۔ جب پاکستان قائم ہوا تو بھارت کے کئی علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ علاقہ مسلمانوں کا اکثریتی شہر بن گیا۔

1992ء میں حکومتِ پاکستان نے چھاؤنی کے قریب بہنے والے ''دریائے ژوب'' کی مناسبت سے ''فورٹ اسڈیمن'' کا نام تبدیل کر کے

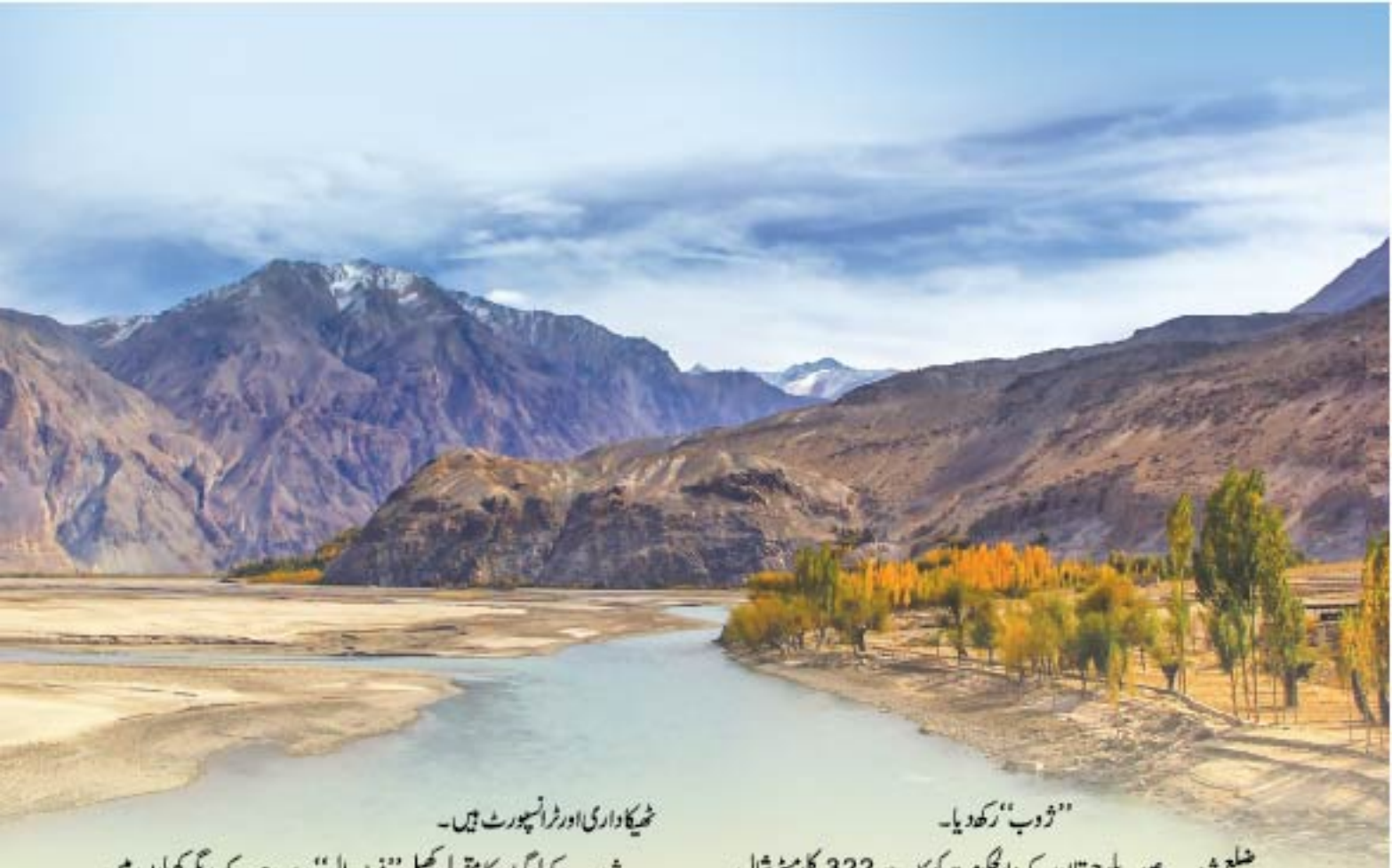

''ژوب'' رکھ دیا۔

ضلع ژوب، صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ سے 322 کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 4000 میٹر ہے اور اس شہر کا رقبہ 27,000 مربع کلومیٹر ہے۔ اس شہر کی سرحدیں مشرق میں سرحدی قبائلی علاقہ جات اور ڈیرہ اسماعیل خان سے ملتی ہیں۔ اس کے مغرب میں ضلع پشین، شمال میں افغانستان اور جنوبی وزیرستان اور جنوب میں ضلع لورالائی واقع ہے۔ ژوب میں کئی قبائل آباد ہیں، جن کے نام شیرانی، مندوخیل، کاکڑ، بابڑ، حری فال، ناصر، صافی، سلیمان خیل اور خروٹی ہیں۔ یہاں کی مقامی زبان پشتو ہے۔ پنجابی اور سرائیکی زبان بولنے والے بھی یہاں آباد ہیں۔ قومی زبان اردو بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

ژوب کے مقامی لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ ہے۔ یہ لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔ اپنے مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ان کا روایتی لباس شلوار قمیص اور واسکٹ ہے۔ سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ کچھ لوگ سر پر چترالی ٹوپی بھی پہنتے ہیں۔ مقامی خواتین بلوچی اور پختون لباس زیب تن کرتی ہیں، جب کہ شہر میں رہائش پذیر خواتین شلوار قمیص پہنتی ہیں اور سر پر دوپٹا اوڑھتی ہیں۔

دیہات میں آباد لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی اور مویشی پالنا ہے، جب کہ شہری آبادی کی گزر اوقات کے ذرائع سرکاری ملازمت، تجارت، ٹھیکاداری اور ٹرانسپورٹ ہیں۔

ژوب کے لوگوں کا مقبول کھیل ''فٹ بال'' ہے، جب کہ دیگر کھیلوں میں نشانہ بازی وغیرہ شامل ہے۔ ژوب میں کھیلوں کے فروغ کے لیے ''ژوب ملیشیا اسٹیڈیم'' کے نام سے ایک بڑا کھیل کا میدان بنایا گیا ہے۔

شہریوں کو طبی سہولتیں مہیا کرنے کی غرض سے چھوٹے ہسپتالوں کے علاوہ دو بڑے ہسپتال ''کمبائنڈ ملٹری ہسپتال'' اور ''ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال'' قائم کیے گئے ہیں۔

یہاں فیڈرل گورنمنٹ اسکول کے علاوہ پرائمری، مڈل اور سیکنڈری سطح کے سرکاری اور نجی اسکول بھی قائم کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ڈگری کالج، ٹیکنیکل تعلیم کا ادارہ اور قالین سازی کا ہنر سکھانے کا مرکز بھی قائم کیا گیا ہے۔

انتظامی امور کے لحاظ سے ژوب کو دو زون (اے اور بی) میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ''زون اے'' کو اسسٹنٹ کمشنر پولیس اور ''زون بی'' کو پولیٹیکل ایجنٹ ژوب ملیشیا کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے، نیز ''زون بی'' میں آباد قبائل کے فیصلے قبائلی قوانین کے مطابق باقاعدہ جرگہ بلا کر کیے جاتے ہیں۔

ژوب کی زرعی پیداوار میں مکئی، گندم اور تمباکو شامل ہیں۔ یہاں کئی اقسام کی سبزیاں بھی کاشت کی جاتی ہیں، جب کہ پھلوں میں انار، سیب اور خوبانی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ خشک میوہ جات میں بادام، اخروٹ اور چلغوزہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں ایک گودا بھرا پھل

بھی پایا جاتا ہے، جسے ''شیٹا'' کہا جاتا ہے۔ اس پھل کی جسامت مکئی کے دانے کے برابر ہوتی ہے، رنگ سبز اور ذائقہ ترش ہوتا ہے۔ زرعی اراضی کو سیراب کرنے کے لیے دریائے ژوب سے پانی کی نہریں نکالی گئی ہیں۔

ژوب معدنی ذخائر سے بھی مالا مال ہے۔ یہاں سے نکالی جانے والی اہم معدنیات میں میگنیز، لوہا اور سنگِ مرمر شامل ہیں۔ ژوب میں بڑے کارخانے تو نہیں ہیں، لیکن لوگوں نے چھوٹے کارخانے قائم رکھے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں گھریلو صنعتیں بھی قائم ہیں، جن میں کمبل، نمدے اور قالین وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔

ژوب کی قدیم عمارتوں میں پولیٹیکل ایجنٹ آفس، ژوب ریلوے اسٹیشن اور 1889ء میں تعمیر کیا جانے والے ملیشیا کا آفیسر میس شامل ہے۔ جدید عمارتوں میں ''ژوب کی جامع مسجد'' اور ''ژوب ائیر پورٹ'' قابلِ دید ہیں۔

ژوب کے مشہور کھانے کا نام ''اوگرا'' ہے، جو گرمی کے موسم میں پکایا جاتا ہے۔ اس کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ چاولوں کو چھاچھ (لسی) میں پکاتے ہیں اور پھر چاولوں کو حلیم تیار کرنے کی طرز پر اتنا گھوٹنا جاتا ہے کہ یہ بالکل گھل جاتے ہیں، پھر ان چاولوں کو ایک بڑے سے تھال میں ڈالا جاتا ہے اور سب مل بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

سردی کے موسم میں گوشت کو ایک خاص طریقے سے پکایا جاتا ہے، جسے مقامی زبان میں ''لاندی'' کہتے ہیں۔ ''لاندی'' کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ دنبہ ذبح کرنے کے بعد اُس کی آنتیں اور معدہ نکال دیا جاتا ہے اور پھر دنبے کو لوہے کی ایک بڑی سی سلاخ میں پرو کر آگ پر اُس وقت تک اچھی طرح بھونا جاتا ہے جب تک اس کے سارے بال جل کر خاک نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد اُسے کچھ دیر مزید ہلکی آنچ پر رکھنے کے بعد ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر اُن ٹکڑوں کو ہینگ ملا پانی اور نمک لگا کر خشک کر لیا جاتا ہے۔ اس عمل سے یہ گوشت تقریباً چار ماہ تک خراب نہیں ہوتا، پھر حسبِ ضرورت ان ٹکڑوں کو نکال کر پکا لیا جاتا ہے۔

ژوب کے لوگوں کا چائے پینے کا انداز بھی منفرد ہے۔ سبز چائے ان کا پسندیدہ مشروب ہے، جس میں چینی نہیں ڈالی جاتی۔ چائے پیش کرتے وقت ایک پلیٹ میں گُڑ کی چھوٹی چھوٹی ڈلیاں رکھ دی جاتی ہیں اور پینے والے ان ڈلیوں کو منہ میں رکھ کر اوپر سے سبز چائے پیتے ہیں اور خوب پیتے ہیں۔

ژوب کے پہاڑی علاقے میں ایک خاص نسل کا بکرا ''مارخور'' پایا جاتا ہے۔ لوگ اس کا شکار بھی کرتے ہیں۔ اس بکرے کو ''مارخور'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سانپ کو مار کر کھا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ ''مارخور'' کے علاوہ باز اور چکور کا بھی شکار کرتے ہیں۔ یہاں سانپ اور بچھو بھی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔

ژوب ریلوے لائن کے ذریعے بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کے توسط سے ملک کے دیگر شہروں سے مربوط ہے۔ کراچی سے کوئٹہ کے ذریعے ژوب تک زمینی رابطہ قائم کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ژوب سے ایک سڑک ڈیرہ اسماعیل خان بھی جاتی ہے۔ ژوب ائیر پورٹ کے ذریعے اس شہر کا فضائی رابطہ کوئٹہ، ملتان، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، کراچی اور اسلام آباد سے قائم ہے۔

آپ جس ذریعے سے چاہیں ژوب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ضلع ژوب، صوبہ بلوچستان۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق و شوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام مکمل ڈاک پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف گیارہ سو (1,100/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ذوق و شوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔

(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔)

خط و کتابت کا پتا:
ماہ نامہ ذوق و شوق، کراچی
پی۔او۔ بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
Zouq shouq/ذوق شوق
zouqshouq@hotmail.com

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کروا سکتے ہیں:

1 منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق و شوق، کراچی، پی۔او۔ بکس نمبر: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

2 بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کر دیں۔)

3 دستی۔
دفتر میں آ کر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

4 جازکیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کر دیں۔)

کوپن برائے

بلاعنوان ۱۷۶

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتہ: ________

فون نمبر: ________

کوپن برائے

ذوق معلومات ۷۵

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتہ: ________

فون نمبر: ________

سوال آدھا جواب آدھا ۳۱

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتہ: ________

فون نمبر: ________

ہدایات: جوابات ۳۰ اپریل ۲۰۲۲ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

SINCE 1999
KIDS COLLECTION SHOES
New Eid Arrival
رسالہ ساتھ لانے پر اور آن لائن کے لئے اشتہار کی تصویر واٹس اپ کرنے
پر 10% ڈسکاؤنٹ دیا جائیگا۔
Shopping Online At
Whatsapp: 0316-2709797
Facebook: /kidscollectionshoes
Website : www.kidskcs.com
Branch 1: Shop # 09, Star Centre, Near Chawala Centre,
Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34315359
Branch 2: Shop # 01, Saima Paari Glorious Opp.
Sindh Lab Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34382622

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulIlm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk